فہرست

❁❁❁❁

﴿وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

(سورۃ نور:۳۱)

توبہ کی حقیقت

بیان: محبوب العلماء والصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 16 جولائی 2010ء بروز جمعہ ۳ شعبان، ۱۴۳۱ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: خصوصی تربیتی مجالس برائے علماء وطلباء (پہلی مجلس)

اقتباس

اللہ کی طرف سے مہربانی دیکھیں کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو گناہ لکھنے والا فرشتہ فوری طور پر گناہ نہیں لکھتا، اللہ نے گناہ والے فرشتے کو نیکی والے فرشتے کے ماتحت کر دیا۔ نیکی کا ارادہ کیا تو وہ نیکی لکھ لیتا ہے، گناہ کا ارادہ کیا تو گناہ نہیں لکھتا، حتیٰ کہ گناہ کا ارتکاب کر لیا۔ اب وہ اپنے باس سے پوچھتا ہے کہ میں لکھ لوں؟ وہ کہتا ہے صبر کرو انتظار کرو۔ کتنا انتظار کرواتا ہے؟ چھ پہر انتظار کرواتا ہے۔ چوبیس گھنٹے میں آٹھ پہر ہوتے ہیں تو چھ پہر تقریباً سولہ گھنٹے بنتے ہیں۔ یعنی گناہ کرنے کے سولہ گھنٹے بعد بھی فرشتہ گناہ نہیں لکھتا کہ ہو سکتا ہے یہ توبہ کر لے اور مجھے گناہ لکھنا ہی نہ پڑے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

توبہ کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
﴿وَ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

(سورۃ نور:۳۱)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دینِ اسلام کا حسن:

دین اسلام کا حسن ہے کہ بندے کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ ہندوازم میں توبہ نہیں ہے۔ اگر کوئی بندہ گناہ کر لے تو اس کو یہ سمجھاتے ہیں کہ تو اگلے جنم میں جانور بنے گا۔ پھر وہ یہ سوچتا ہے کہ جانور تو مجھے بننا ہی ہے تو اس جنم میں جو چاہو کر و تو ایک گناہ لاتعداد گناہوں کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

جب کہ دینِ اسلام کا یہ حسن ہے کہ انسان جتنا چاہے گناہگار کیوں نہ ہو ہر موڑ پر ہر لمحے اس کے لیے یہ دعوت ہے کہ اب اگر توبہ کرلو تو پچھلے گناہ معاف، ایک نئی زندگی کا اغاز کرلو، تو امید کی کرن رہتی ہے۔ حتیٰ کہ کوئی کافر اور مشرک بھی ہے تو اس کے لیے بھی توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ یہ اللہ رب العزت کی صفات کا ظہور ہے کہ وہ بندے کے گناہوں کو معاف کر کے خوش ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا عذاب والا نام کوئی نہیں:

علما نے کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ رب العزت کے ننانوے صفاتی نام ہیں جو حدیث میں مذکور ہیں، ان میں سے ایک نام بھی ایسا نہیں جو عذاب پر دلالت کرتا ہو۔ ننانوے کے ننانوے نام اس کی رحمت اور مہربانی پر دلالت کرتے ہیں۔ عام لوگ سمجھتے ہیں کہ جی وہ جبار ہے۔ تو بھئی جبار عربی کا لفظ ہے اردو کی زبان میں اس کے معانی مختلف ہوتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسا کہ ایک لفظ ہے ''ذلیل'' تو اردو میں اس کا معنی ہے بے عزت انسان اور عربی میں اس کا معنیٰ ہے کمزور انسان، لہٰذا قرآن مجید میں بھی استعمال ہوا۔

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾ (سورۃ آل عمران:۱۲۳)

''تحقیق اللہ نے مدد کی بدر میں جب تم کمزور تھے''

تو عربی میں معنی اور اردو میں معنی اور۔ عربی میں ایک لفظ ہے دلّ، اس کا معنی ہے پہنچانے والا۔ ہماری زبان میں اس کا معنیٰ بہت ہی برا لیا جاتا ہے، یہ گالی کی مانند ہے، جبکہ عربوں میں اس لفظ کا استعمال عام ہے۔ لہٰذا وہاں ایک کمپنی ہے ''دلّ'' کمپنی۔ شروع میں ہم حیران ہوتے تھے کہ ان کو کوئی اور لفظ نہیں ملا، تو بعد میں بتایا گیا کہ جی اردو کے نہیں یہ عربی کے دلّے ہیں۔

ہماری زبان میں ایک لفظ ہے ''بندر'' یہ ایک جانور کا نام ہے۔ کسی کو گالی دینی ہو تو اس کو کہتے ہیں کہ بندر۔ لیکن عربوں میں اس کا معنیٰ کچھ اور ہے۔ تو ہم نے ایک شہزادے کا نام سنا جی، بندر بن سلطان، ہم نے سوچا: یا اللہ! یہ باپ پر اتنا بوجھ تھا کہ باپ نے اس کا نام بندر رکھا۔ تو بعد میں پتہ چلا کہ جی یہ عربی کا لفظ ہے، عربی میں بندر پھول کو کہتے ہیں تو دونوں زبانوں میں لفظوں کا اپنا اپنا معنیٰ ہوتا ہے۔

جَـابِـر کا معنی اردو زبان میں جبر کرنے والا ہے لیکن عربی زبان میں اس کا معنی ہے جوڑنے والا۔ جیسے ہڈی ٹوٹتی ہے تو اس کے جوڑنے والے کو جابر کہتے ہیں۔ تو جابر کا اصل معنی یہ ہے کہ جو بندہ اللہ سے ٹوٹ جائے اللہ ایسے انتظام کرتے ہیں کہ وہ واپس لوٹ کے آئے اور پھر جڑ جائے۔ جبار بھی رحمت پر دلالت کرتا ہے۔

قَهَّارٌ ہماری زبان میں تو سمجھتے ہیں کہ بہت ظلم کرنے والا حالانکہ عربی زبان میں اس کا معنی ہے بلندی والا۔ چنانچہ چوٹی کو قاہرہ کہتے ہیں، مصر کا ایک شہر بھی ہے قاہرہ۔ تو قاہرہ بلندی والا، غالب آنے والا، تو یہ بھی رحمت پر دلالت کرتا ہے۔

اور کئی نام تو ہیں ہی ایسے جیسے:

غَفَّارٌ معاف کرنے والا۔

غَفُورٌ معافی عطا کرنے ولا۔

سَتَّارٌ گناہوں پر پردے ڈالنے والا۔

حَلِيمٌ قدرت کے باوجود سزا دینے میں، تاخیر کرنے والا۔

اللہ کتنا حلیم ہے کہ بندے کو گناہ کرتے بھی دیکھتا ہے اور عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ تو اللہ تعالیٰ کے تو صفاتی نام ہی ایسے ہیں۔

اسلام کی تعلیم:

چنانچہ دینِ اسلام نے یہ تعلیم دی کہ

((اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهُ))

''گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسے ہوتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں''

جیسے اگر آپ کوئی چیز بورڈ کے اوپر مٹا دیں اور نئے سرے سے پھر لکھنا شروع کر دیں۔

انسانی بربادی کے تین اسباب:

دل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان گناہ کیوں کرتا ہے؟ تو گناہوں کی تین وجوہات ہیں۔

﴿۱﴾ حرام غذا

پہلا ہے حرام غذا۔ یہ جو حرام لقمہ ہے نا یہ بنیاد ہے۔ اگر روزی کے اندر رشوت شامل، سود شامل، مار کٹائی کا مال شامل، تو صاف ظاہر ہے کہ اس کا اثر بھی ویسا ہی ہو گا۔ یا پھر رزق تو حلال ہو مگر چیزیں بازار کی خرید کر کھائیں، جن میں شبہ ہوتا ہے۔ آج کل تو اپنے پرائے سب کے ریسٹورنٹ کھل چکے ہیں، جن کو حرام کا احساس ہی نہیں، ایسی چیزیں انسان کی روحانیت کو خراب کر دیتی ہیں۔

﴿۲﴾ ناجنس کی صحبت:

اور دوسرا ہے ناجنس کی صحبت۔ دنیا دار بندوں کی صحبت میں اٹھتے بیٹھتے رہنا، کثرت سے میل جول رکھنا۔ جو اس راستے کا راہی نہیں اس کی صحبت نقصان دے گی، تو ایسے لوگوں کی صحبت سے بچنا چاہیے۔

﴿۳﴾ گناہ:

اور تیسری چیز گناہوں کا ارتکاب کرنا۔ تو یہ تین چیزیں انسان کو برباد کر دیتی ہیں۔ زندگی ایسی ہو کہ انسان گناہ کا مرتکب نہ ہو چنانچہ فرمایا کہ

((اِنَّ مَوْلٰكَ لَا يَرَاكَ حِيْنَ نَهَاكَ))

''تمہارا پروردگار تمہیں ایسی حالت میں نہ دیکھے جس سے تمہیں منع کر دیا''

ایسی جگہ میں نہ دیکھے جہاں جانے سے اس نے منع فرمادیا۔ہم ہر وقت اس چیز کا خیال ذہن میں رکھیں کہ ہم کوئی کام ایسا نہ کریں جو اللہ کو ناپسند ہے۔توبہ ہم میں سے ہر ایک پر لازم ہے۔ہم عوام پر تو گناہوں سے بچنا لازمی، حضرت ذالنورین مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

تَوْبَةُ الْعَوَامِ مِنَ الذُّنُوْبِ وَ تَوْبَةُ الْخَوَاصِ مِنَ الْغَفْلَةِ

''عوام کی توبہ گناہوں سے اور خواص کی توبہ غفلت سے ہوتی ہے''

اب کون بندہ ہے جو کہے جی کہ مجھے غفلت ہی نہیں ہوتی ، وساوس ذہن میں نہیں آتے۔تو معلوم ہوا کہ عام ہو یا خاص توبہ تو ہر ایک کو کرنی چاہیے۔

سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ شیطان مل گیا، کہنے لگا: سہل بڑی نیکیاں کرتا پھرتا ہے، راتوں کو جاگتا ہے، دن میں روزے رکھتا ہے، قیامت کے دن مغفرت تو میری بھی ہو جائے گی۔تو انہوں نے کہا کہ تیری تو نہیں ہونی شیطان نے کہا کہ رب کریم کا فرمان ہے۔

﴿إِنَّ رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾

تو جب ہر چیز پر اس کی رحمت وسیع ہے تو میں بھی تو ایک چیز ہوں، لاشیء تو نہیں ہوں کہ میری مغفرت نہیں ہونی۔تو انہوں نے کہا کہ نہیں ہر ایک کی مغفرت ہوگی مگر ایمان ضروری ہے۔تو کہنے لگا کہ تم نے تو پھر رحمت کو مقید کر دیا، اللہ کی رحمت تو علی الاطلاق سب کے اوپر ہے۔اب سہل پریشان کہ اس بدبخت کو کیا جواب دوں؟ تو ہمارے علما نے اس کا جواب یہ دیا کہ اللہ کی رحمت تو علی الاطلاق سب کے لیے ہے مگر کوئی اس میں داخل ہی نہ ہونا چاہے تو رحمت کا کیا قصور؟ تو شیطان بدبخت تو اس میں داخل ہی نہیں ہونا چاہتا، اس لیے شیطان کی بخشش نہیں ہوگی۔فیض الباری میں یہ

واقعہ نقل کیا گیا۔

اس توبہ کے بارے میں کچھ تفصیلات ہیں اکثر تو وہی ہیں جو آپ جانتے ہوں گے۔ تو ان کے تکرار سے ایک تو اعادہ ہو جائے گا اور یاد ہو جائے گا ﴿وَ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور دوسرا کچھ نئی باتیں بھی سامنے آ جائیں گی۔

گناہ کی سیاہی توبہ سے صفائی:

توبہ کی تفصیلات میں سے یہ ہے کہ جب بھی انسان گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے دل پر ایک نقطہ لگ جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

((اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اَخْطَاَ خَطِيْئَةً نَقْطَةً فِيْ قَلْبِهٖ نُكْتَةً سُوْدَاءُ فَاِنْ هُوَ نَزَعَ وَ اسْتَغْفَرَ وَ تَابَ صَقَلَ قَلْبُ))

”بے شک جب کوئی بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، اگر وہ گناہ سے ہٹ جائے اور استغفار اور توبہ کر لے تو دل صاف ہو جاتا ہے۔“

جب کوئی نیکی کا کام کر لیتا ہے تو پھر دل سے نقطہ مٹا دیا جاتا ہے۔ شیطان یہاں پر ایک داؤ لگاتا ہے کہ تو تو اتنے گناہ کرتا ہے نیکی کا کیا فائدہ؟ بھئی! گناہوں کے نقطے دل پر لگ رہے ہیں تو نیکی کا صابن بھی تو دل پہ لگنا چاہیے جو نقطوں کو مٹائے۔ اگر ہم گناہوں سے نہیں باز آرہے تو نیکیوں سے کیوں باز آئیں۔ وسوسہ آتا ہے کہ تیرے پڑھنے کا کیا فائدہ؟ نظر تو تیری پاک نہیں، تو یہ بدبخت ذہن میں اپنے اشکال ڈالتا ہے۔ اس کو پتہ ہے کہ اگر یہ گناہ کر بیٹھتا ہے پھر جب پڑھتا ہے تو گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ ایک باب علم کا سیکھنا ایک ہزار رکعت پڑھنے سے زیادہ افضل ہے۔

گناہ نیکیوں کو کھا جاتا ہے:

گناہ انسان کی کی ہوئی نیکیوں کو کھا جاتا ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((اِتَّقُوْا مَظَالِمَ مَااسْتَطَعْتُمْ))

ظلم کرنے سے بچو جتنا بچ سکتے ہو!

((فَاِنَّ الرَّجُلَ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ بِحَسَنَاتٍ یَرٰی اَنَّهَا سَتُنْجِیْهِ فَمَایَزَالُ عِنْدَذَالِكَ))

''بندہ قیامت کے دن اتنی نیکیاں لے کر آئے گا کہ وہ کہے گا بس میں تو نجات پا گیا، اتنی زیادہ میری نیکیاں''

((یَقُوْلُ اِنَّ لِفُلَانٍ قِبْلَكَ مُظْلِمَةٌ اَمْحُوْا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَمَا تَبْقِیْ لَهٗ حَسَنَةٌ)) (کنز العمال:۱۰۳۲۸)

''کہا جائے گا فلاں شخص پر تیرا ظلم ہوا۔ لہٰذا یہ جو ظلم کیا تھا اس کی نیکیوں میں سے پے منٹ کر دو! حتیٰ کہ اس کی ایک نیکی بھی باقی نہیں رہے گی''

تو معلوم ہوا کہ جو گناہ ہم کر بیٹھتے ہیں، یہ ہماری نیکیوں کو کھا لیتے ہیں۔ حسد کے بارے میں ویسے ہی فرما دیا:

((اَلْحَسَدُ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ))

''جیسے آگ خشک لکڑی کو کھا لیتی ہے حسد بھی انسان کی نیکیوں کو اس طرح کھا لیتا ہے''

اللہ کے سامنے نافرمانی......!!!

مگر ایک تو ڈر یہ ہے کہ نیکیوں کو کھا جائے گا، اس سے بڑا ڈر یہ ہونا چاہیے تھا کہ

ہم اللہ کے سامنے گناہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے، فرمایا:

((لَا تَنْظُرُ فِيْ صِغَرِ الذُّنُوْبِ وَلٰكِنِ انْظُرُوْا عَلٰى مَنِ اجْتَرَاْتُمْ))

(حلیۃ الاولیاء ص:۸/۷۸، کنز الاعمال:۱۰۲۹۴)

''گناہوں کے چھوٹے ہونے کو نہیں دیکھو، یہ دیکھو کہ کس کے سامنے تم نے گناہ کرنے کی جرأت کی۔''

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ نہ دیکھو کہ گناہ چھوٹا یا بڑا مگر اس ذات کی عظمت کو دیکھو جس کے سامنے تم نے گناہ کیا۔ بچہ گواہ ہو تو تھوڑا خوف ہوتا ہے اور کوئی بڑا گناہ پر گواہ ہو جائے تو دل میں خوف زیادہ آتا ہے۔ بندوں کا خوف دل میں اتنا ہے تو اگر پروردگار نے گناہ کرتے دیکھا پھر کتنا خوف ہونا چاہیے؟ گناہوں کو اس لیے چھوڑیں کہ اللہ دیکھتے ہیں۔ آج تو بچہ بھی قریب ہو تو فحش حرکت نہیں کرتے۔ اس لیے ایک بزرگ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا: میرے بندے! جب گناہ کرنے لگتے ہو تو ان تمام دروازوں کو بند کر دیتے ہو جن سے دنیا دیکھتی ہے، اس دروازے کو بند نہیں کرتے جس سے میں پروردگار دیکھتا ہوں، کیا اپنی طرف دیکھنے والوں میں سب سے کم درجے کا مجھے سمجھتے ہو؟

گناہوں کی تین اقسام:

حدیث شریف میں آیا کہ گناہوں کی تین قسمیں ہیں۔

❶ ذَنْبٌ يُغْفَرُ

''وہ گناہ جو معاف ہو جائیں گے''

❷ ذَنْبٌ لَا يُغْفَرُ

وہ گناہ جو بالکل معاف نہیں ہوں گے۔

۳ وَ ذَنْبٌ يُجَازٰى فِيْهِ (طبرانی، کنز العمال:۱۰۳۱۳)

اور وہ گناہ جن کا بدلہ دینا پڑے گا۔

مثال کے طور پر وہ گناہ جو معاف نہیں ہوگا وہ ہے (الشرك بالله) اللہ کے ساتھ شریک بنانا۔

وہ گناہ جو معاف ہو جائے گا وہ ہے بندے اور خدا کے درمیان کوئی معاملہ کہ اگر کوئی خطا ہوگئی اللہ سے معافی مانگ لو اللہ معاف فرما دیں گے۔

اور جس کا بدلہ دینا پڑے گا وہ ہے بندے اور بندے کے درمیان کا معاملہ۔ اگر زیادتی کی ہے تو دنیا میں جزا دے دو، بدلہ دے دو، معاف کرا لو، ورنہ پھر قیامت کے دن تو جزا دینی ہی پڑے گی۔ اس لیے جتنے گناہ زیادہ ہوں گے قیامت کے دن انسان کے لیے خدا کے حضور پیش ہونا اتنا مشکل ہوگا۔

کبائر کے مرتکب کی بدحالی:

ابو درداؓ فرماتے ہیں:

((اِنَّ اَمَامَكُمْ عَقَبَةً كَؤُوْدًا لَا يَجُوْزُهَا الْمُثْقِلُوْنَ))

(ابن النجار، کنز العمال: ۱۰۳۳۰)

''تمہارے آگے ایک بہت خطرناک وادی ہے، اس کو کوئی بوجھل شخص نہیں پار کر سکے گا۔''

جیسے سامان سے بوجھل شخص کے لیے پانی کی کھال عبور کرنا مشکل ہوتی ہے ایسے ہی جس کے گناہوں کا وزن زیادہ ہوگا تو یہ گھاٹی اس کے لیے عبور کرنا مشکل ہو جائے گی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ بندے تین قسم کے ہیں فقراء، مریض اور تائب۔

فقراء کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْفُقَرَاءُ اَصْدِقَآءُ اللّٰہِ))

''فقراء اللہ کے دوست ہوتے ہیں''

اور مریض کے بارے میں فرمایا:

((وَالْمَرْضٰی اَحِبَّآءُ اللّٰہِ))

''اور جو مریض ہوتے ہیں وہ اللہ کے محبوب ہوتے ہیں''

اور تیسرا فرمایا:

((فَمَنْ مَّاتَ عَلَی التَّوْبَۃِ فَلَہُ الْجَنَّۃِ)) (کنز العمال:۱۰۱۹۲)

''توبہ کی حالت میں جب فوت ہوا تو اس بندے کا ٹھکانہ جنت ہے، کیونکہ اس نے اب گناہوں سے توبہ کر لی ہے۔''

گناہ لکھنے میں انتظار:

اللہ کی طرف سے مہربانی دیکھیں کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو گناہ لکھنے والا فرشتہ فوری طور پر گناہ نہیں لکھتا، اللہ نے گناہ والے فرشتے کو نیکی والے فرشتے کے ماتحت کر دیا۔ نیکی کا ارادہ کیا تو وہ نیکی لکھ لیتا ہے، گناہ کا ارادہ کیا تو گناہ نہیں لکھتا، حتیٰ کہ گناہ کا ارتکاب کر لیا۔ اب وہ اپنے باس سے پوچھتا ہے کہ میں لکھ لوں؟ وہ کہتا ہے صبر کرو انتظار کرو۔ کتنا انتظار کرواتا ہے؟ چھ پہر انتظار کرواتا ہے۔ چوبیس گھنٹے میں آٹھ پہر ہوتے ہیں تو چھ پہر تقریباً سولہ گھنٹے بنتے ہیں۔ یعنی گناہ کرنے کے سولہ گھنٹے بعد بھی فرشتہ گناہ نہیں لکھتا کہ ہو سکتا ہے یہ توبہ کر لے اور مجھے گناہ لکھنا ہی نہ پڑے۔ جب اتنی

دیر گزرنے کے بعد بھی شرم آتی ہے نہ افسوس ہوتا ہے، نہ توبہ کرتا ہے تو پھر وہ گناہ کو لکھ لیتا ہے۔

گناہ ظاہر کرنے والے کی معافی نہیں:

ہاں ایک بندہ جس کا گناہ معاف نہیں ہوگا۔ وہ ہے جو گناہ کرے اور پھر لذتیں لے لے کر دوسروں کو بتائے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((كُلُّ أُمَّتِيْ مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِيْنَ)) (کنز العمال: ۱۰۳۳۸)

''میری امت کے تمام گناہ گاروں کو معافی ملے گی مگر اظہار کرنے والے والوں کو نہیں''

کئی لوگ ہوتے ہیں کہ وہ دوسروں کو کارگزاری سناتے ہیں کہ جی میں بڑا سمارٹ ہوں۔ او جی میں نے فلاں کو ایسے بیوقوف بنایا، میں نے تو ایسی بات کی کہ وہ جلتا ہی رہا ہوگا، سڑتا ہی رہا ہوگا۔ تو اس قسم کی گناہ کی باتیں کرنا اور پھر لوگوں کو بتانا اور کئی لوگوں کے تو اپنے گناہوں کے افیئر ہوتے ہیں، ان کی تفصیلات افسانہ کی طرح سناتے ہیں، میں نے یہ کر دکھایا۔ ایسے کرنے والے کے لیے فرمایا کہ معافی نہیں ہے۔ یہاں نکتہ یاد رکھنا کہ ایک ہوتا ہے اپنے گناہ کے بارے میں کسی طبیب سے بات کرنا، کسی روحانی جسمانی طبیب سے بات کرنا، اس کی شرعاً اجازت ہے۔ مثلاً: میں ایک گناہ میں پھنسا ہوا ہوں، اب ایک عالم سے پوچھوں کہ میں کیسے نکل سکتا ہوں؟ تو وہ اظہار نہیں کہلائے گا، وہ تو تدارک ہے، وہ تو علاج ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ مرد کا اپنے ستر کو دوسرے مرد سے چھپانا فرض ہے لیکن اگر ران کے اوپر پھوڑا نکل آئے تو ڈاکٹر کے سامنے کھولنا جائز ہوگا۔ شریعت اجازت دیتی ہے کہ علاج

کرو۔ اسی طرح گناہ کا اس لیے اظہار کرنا کہ میں گناہ چھوڑ کیسے سکتا ہوں؟ یا وہ دعا کر دیں کہ مجھے اللہ اس مصیبت سے نجات دے دے، تو یہ چیز اس میں داخل نہیں ہوتی۔ گناہ کا بتانا لذتیں لے کر یہ شریعت نے منع فرما دیا۔

دن کے فرشتے نرم، رات کے گرم:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ دن کے فرشتے نرم اور رات کے فرشتے گرم ہوتے ہیں، ابنِ عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ مَلٰئِکَةَ النَّهَارِ اَرْاَفُ مِن مَّلٰئِکَةِ اللَّیْلِ)) (کنز العمال:۱۰۳۴۰)

''بے شک دن کے فرشتے رات کے فرشتوں سے زیادہ نرم ہیں''

دن کے فرشتے نرم کہ بندے نے دن میں کام کاروبار کرنا ہوتا ہے لوگوں سے ملنا ہوتا ہے تو بھی کوئی نہ کوئی چھوٹی موٹی اونچ نیچ ہو سکتی ہے، اور رات کو انسان ہوتا ہے اور اس کا رب ہوتا ہے تو فرمایا رات میں تو تم گناہ نہ کرو رات کو تو تم اللہ کی نافرمانی میں مت گزارو نا۔ اب تو پیچھے کوئی بات نہیں کہ جی کام تھا، کاروبار تھا، غلطی ہو گئی، اب کیا غلطی۔ اس لیے رات کے فرشتوں کو اللہ نے ایسا بنایا کہ وہ ذرا ٹائیٹ ہیں لکھنے میں۔

دوسری بات یہ کہ رات اللہ تعالیٰ کی رحمت اور توجہ اپنی مخلوق کی طرف زیادہ ہوتی ہے، اس کی عنایات کے باوجود جب کوئی نافرمانی کرتا ہے تو فرشتے زیادہ غضبناک ہوتے ہیں۔

ندامت پر گناہ معاف:

تاہم ایک بات بڑی عجیب ہے کہ جو بندہ گناہ کر بیٹھا اگر اس نے اپنے دل میں

محسوس کیا کہ میں نے اچھا نہیں کیا، میں نے برا کیا مجھے ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا تو یہ ساری باتیں ندامت کہلاتی ہیں۔ غلطی کے اس احساس کا دل میں پیدا ہونا، اس کو ندامت کہتے ہیں اور ندامت کا مسئلہ ذرا سنیے کیا مزے کا ہے! عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((مَا عَلِمَ اللّٰهُ مِنْ عَبْدٍ نَدَامَةً عَلَى ذَنْبٍ اِلَّا غَفَرَ لَهُ قَبْلَ اَنْ يَّسْتَغْفِرَ مِنْهُ)) (کنز العمال: ۱۰۳۳۸)

''جب اللہ کسی بندے کے دل میں گناہ کے اوپر ندامت محسوس کرتے ہیں، اللہ گناہ کو معاف کر دیتے ہیں، اس سے پہلے کہ بندہ استغفار کرے۔''

اللہ اکبر! کتنا کریم پروردگار ہے! زبان پر لفظ آنے سے پہلے دل کی حالت کو دیکھ کر معاف کر دیتے ہیں کہ یہ اس سے نادم ہو رہا ہے۔ یہ افسوس کر رہا ہے کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، رب کریم اتنے مہربان ہیں کہ بندے کی دل کی حالت پر اس کی بخشش فرما دیتے ہیں۔

افسوس سے گناہوں کی معافی:

اور دل میں اگر افسوس ہو، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں:

((اِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلَ ذَنْبًا وَ اِذَا ذَكَرَهُ اَحْزَنَ))

بندہ گناہ کرتا ہے اور جب یاد کرتا ہے تو یاد کر کے افسوس کرتا ہے کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا میں نے اچھا نہیں کیا۔

((وَ اِذَا نَظَرَ اللّٰهُ اِلَيْهِ قَدْ اَحْزَنَهُ ، غَفَرَلَهُ مَاصَنَعَ قَبْلَ اَنْ يَّاْخُذَ فِيْ كَفَّارَتِهِ بِلَاصَلٰوةٍ وَ لَا صِيَامٍ)) (ابنِ عساکر، کنز العمال: ۱۰۳۳۸)

''اللہ پھر دل کی طرف دیکھتے ہیں کہ یہ دل گناہ پر غمگین ہو رہا ہے تو اللہ تعالیٰ

اس کے گناہ معاف کر دیتے ہیں اور اس گناہ کے بدلے اس کی نماز کو اور روزے کو کچھ بھی کم نہیں فرماتے“

تو گناہ پر افسردہ ہونے پر بھی معافی مل جاتی ہے۔ اس لیے ہمیں خلوتوں میں اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے۔ اس لیے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((حَقِیْقٌ بِالْمَرْءِ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ مَجَالِسٌ یَخْلُوْ فِیْھَا یَذْکُرُ ذُنُوْبَہٗ وَ یَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ مِنْھَا)) (شعب الایمان، کنز العمال:۱۰۲۰۹)

”کہ بندے کے لیے لازم ہے کہ خلوت میں اللہ کے ساتھ ایسی مجلس ہو کہ وہ پرانے گناہوں کو یاد کرے۔ تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں“

ہمارے مشائخ جو کہتے ہیں کہ روزانہ معمولات کے لیے وقت نکالو تو ان معمولات میں یہ بھی ہے کہ اپنے گناہوں کو دیکھنا اور افسوس کرنا یعنی روز کے گناہ روز ہی معاف ہوتے جائیں۔

خوفِ خدا کی وجہ سے معافی:

چنانچہ ایک تو ہے ندامت سے گناہ معاف ہوتا ہے، دل افسردہ ہو تو گناہ معاف ہوتا ہے۔ اور ایک اللہ کے خوف سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اللہ کی عظمت کی وجہ سے خوف دل میں اگر آ گیا تو اس پر بھی بخشش ہو جاتی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی نبی علیہ السلام سے۔

((قَالَ رَجُلٌ لَمْ یَعْمَلْ حَسَنَۃً قَطُّ لِاَھْلِہٖ اِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوْہُ ثُمَّ اذروا نِصْفَہٗ فِی الْبَرِّ وَ نِصْفَہٗ فِی الْبَحْرِ))

''ایک بندہ جس نے کوئی نیکی نہیں کی تھی، موت کا وقت آیا تو گھر والوں کو کہا کہ جب میں مر جاؤں تو جلا دینا، آدھی راکھ ہوا میں اڑا دینا اور آدھی راکھ پانی میں بہا دینا''

((لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا لَا يُعَذِّبُ اَحَدًا مِنَ الْعَالَمِيْنَ))

''اگر اللہ نے میرے اوپر قدرت پائی۔ اللہ ایسا عذاب دے گا کہ اس نے جہانوں میں کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہوگا۔''

((فَلَمَّا مَاتَ فَعَلُوْا مَا اَمَرَهٗ))

''جب مر گیا تو لوگوں نے ویسا ہی کیا جیسے اس نے کہا تھا''

((اَمَرَ اللّٰهُ بَرًّا فَجَمَعَ مَا فِيْهِ وَ اَمَرَ اللّٰهُ الْبَحْرَ وَ جَمَعَ مَافِيْهِ))

''اللہ نے زمین کو حکم دیا تو راکھ کے جو ذرات اس میں تھے وہ جمع ہو گئے، پھر سمندر کو حکم دیا جو ذرات اس میں تھے وہ جمع ہو گئے۔ ساری راکھ کے ذرات جمع ہو گئے۔

پھر اللہ نے فرمایا: کہ کھڑا ہو جا وہ کھڑا ہو گیا

((ثُمَّ قَالَ لِمَا فَعَلْتَ هٰذَا؟))

''پھر کہا کہ میرے بندے تو نے ایسا کیوں کیا؟''

((فَقَالَ مِنْ خَشْيَتِكَ وَ اَنْتَ تَعْلَمُ))

''تیرے ڈر کی وجہ سے اور تو جانتا ہے۔''

((فَغَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ)) '' اللہ نے اسے معاف کر دیا''

کہ واقعی تو نے میرے ڈر کی وجہ سے ایسے کیا تھا، میں نے تیرے تمام گناہوں کو معاف کر دیا۔

معافی مانگیں بار بار:

اب ذہن میں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ معافی سے گناہ تو معاف ہو جاتے ہیں مگر کتنی بار معافی ؟ یہ تو نہیں کہ روز ہی کا وتیرہ ہو؟ روز گناہ کرو، روز معافی مانگو، تو اس بارے میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد کنز العمال میں ہے ۔قال اللہ تبارک و تعالیٰ، حدیثِ قدسی ہے:

((اَنَا اَکْرَمُ وَ اَعْظَمُ عَفْوًا مِنْ اَنْ اَسْتُرَ عَلٰی عَبْدٍ مُسْلِمٍ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اَفْضَحُهٗ بَعْدَ اِذْ سَتَرْتُهٗ))

''میں اس سے بلند ہوں کہ دنیا میں کوئی بندہ گناہ کرے اور میں پردہ ڈال دوں اور پردہ ڈالنے کے بعد اسے رسوا کروں۔''

اب کتنے گناہ ایسے ہیں جو ہم نے کیے اور کسی کو پتہ ہی نہیں سوائے اللہ کے۔ اور مخلوق کتنا نیک سمجھتی ہے جبکہ گناہ کتنے بڑے بڑے کیے۔ تو اگر اللہ نے دنیا میں ایک مرتبہ پردہ ڈال دیا، تو اللہ فرماتے ہیں کہ میں اس سے بلند ہوں کہ پھر اس کو رسوا کروں۔ تو بھئی! جب اللہ نے پردے ڈال ہی دیے تو ہم اللہ سے معافی بھی مانگ لیں کہ اے اللہ! اب آپ معاف بھی فرما دیجیے۔

آگے فرمایا:

((وَ لَا اَزَالُ اَغْفِرُ لِعَبْدِیْ مَا اسْتَغْفَرَنِیْ)) (کنز العمال:۱۰۲۱۵)

''اور میں اپنے بندوں کو معاف کرتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے معافی مانگتا رہے گا''

تو جب اللہ اتنے کریم ہیں تو پھر ہمیں چاہیے کہ ہم بار بار معافی مانگیں۔ یہ گناہوں کی معافی اللہ کو اتنی پسند ہے کہ حدیث پاک میں یوں فرمایا:

((لَوْ لَمْ تَذْنِبُوْا لَاَتَى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُذْنِبُوْنَ وَ يَغْفِرُ لَهُمْ))

''اگر تم سارے فرشتہ صفت بن جاؤ کہ کوئی ایک گناہ بھی نہ کرو۔ تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ ایسی قوم کو پیدا کر دے گا کہ وہ گناہ کر کے اللہ سے معافی مانگیں گے اور اللہ ان سب کے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔''

گناہ نیکیوں میں تبدیل:

اور بعض تو ایسے ہوں گے کہ ان کے گناہ ان کی نیکیوں میں تبدیل کر دیے جائیں گے۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، حاکم نے اسکو روایت کیا ہے۔

((لَيَتَمَنَّيَنَّ اَقْوَامٌ لَوْ اَكْثَرُوْا مِنَ السَّيِّئَاتِ))

''تمنا کریں گے بعض لوگ کہ کاش ان کے گناہ زیادہ ہوتے۔''

یہ لام، ن ثقیلہ کا صیغہ ہے۔

یہ کون لوگ ہوں گے؟

((اَلَّذِيْنَ بَدَّلَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ)) (کنز العمال: ۱۰۲۲۷)

''وہ لوگ ہوں گے جن کے گناہوں کو اللہ ان کی نیکیوں میں تبدیل فرما دیں گے''

وہ تمنا کریں گے کہ گناہ اور ہوتے تو نیکیاں اور بڑھ جاتیں جنت میں درجے اور بڑھ جاتے۔ ع

مغفرت بولی ادھر آ میں گناہ گاروں کی ہوں

تو اللہ کی شان دیکھیں! گناہ کرنے والے بندے کو مایوس نہیں ہونا چاہیے، کئی مرتبہ اللہ گناہ کو فائدے کا سبب بھی بنا دیں گے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت نبی سے

((اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَیَنفَعُ الْعَبْدَ بِذَنْبٍ یُذْنِبُہٗ)) (کنز العمال: ۱۰۲۱۵)

''کہ کبھی اللہ تعالیٰ بندے کے گناہ کو اس کے لیے فائدہ مند بنا دیتے ہیں۔''

کیسے فائدے مند بنتا ہے؟ کہ وہ بندہ اس گناہ پر شرمندہ ہوتا ہے، روتا ہے، اتنے اخلاص سے معافی مانگتا ہے کہ اللہ اس گناہ کو نیکی بنا دیتے ہیں اور وہ فائدے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

چنانچہ بنی اسرائیل کا ایک واقعہ ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک نوجوان تھا جو بڑا خطا کار اور گناہ گار تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہوں کو معاف فرما دیا اور موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا: میرے بندے نے ایسی توبہ کی کہ اس کے ثواب کو پورے شہر والوں پر تقسیم کر دیا جاتا تو شہر کے سب گناہ گار لوگوں کو معاف کر دیا جاتا۔ تو سبحان اللہ کہ دینِ اسلام کتنا خوبصورت دین ہے، شریعت میں کیا حسن ہے! جتنا بھی گناہ گار خطا کار پاپی ہو اس کے لیے معافی کا امکان ہے، ابھی توبہ کرے ابھی گناہ معاف۔ اور زیادہ اخلاص سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما دیتے ہیں۔

گناہوں سے بچنے کا نصب العین ہو:

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت کیا:

((اِنَّ الْعَبْدَ لَیُذْنِبُ الذَّنْبَ فَیَدْخُلُ بِہِ الْجَنَّۃَ))

''ایک بندہ گناہ کرتا ہے اور اس کی وجہ سے جنت میں داخل ہوتا ہے''

((یَکُوْنُ نَصَبَ عَیْنَیْہِ تَائِبًا فَارًّا حَتّٰی یَدْخُلَ الْجَنَّۃَ)) (کنز العمال: ۱۰۱۸۸)

''اس کا نصب العین ہوتا ہے کہ میں نے توبہ کرنی ہے۔ اور وہ گناہ سے دوڑتا ہے توبہ کی طرف، حتی کہ اللہ جنت میں داخل فرما دیں گے۔''

تو بھی تو ہم میں سے ہر ایک کا یہ نصب العین ہو کہ ہم نے اللہ کا فرمانبردار بندہ بننا ہے۔ یہ نیت ہو زندگی کی، دل میں یہ نیت بٹھالیں، چاہے جتنے گناہ کرتا ہے نیت یہ بنالے کہ میں نے تو معافی مانگنی ہے اور گناہوں سے میں نے رکنا ہے۔ ہم کمزور ہیں ہمارا پروردگار تو گناہوں سے بچانے کی طاقت رکھتا ہے، وہ تو بچا سکتا ہے۔ اس لیے اللہ کی رحمت پر نظر رکھتے ہوئے آدمی نیت رکھے کہ میں نے پاک صاف زندگی اختیار کرنی ہے، جن غلاظتوں میں اس وقت میں پھنسا ہوا ہوں ان سے نکلنا ہے، میں نے سود سے بچنا ہے، رشوت سے بچنا ہے، غصے کو کنٹرول کرنا ہے، میں نے اللہ کے بندوں کے دل نہیں دکھانے، جن افیئرز میں پھنسا ہوا ہوں میں نے ان کو چھوڑ دینا ہے، میں نے سیل فون کے فتنے سے بچنا ہے۔ یہ نیت کرلیں پھر دیکھیں اللہ کی مدد کیسے آتی ہے؟

کیونکہ علما نے لکھا کہ جو شخص گناہ سے بچنے کا پکا ارادہ کرلیتا ہے اللہ فرماتے ہیں کہ اس بندے کی مدد کرنا میرے اوپر لازم ہوجاتا ہے۔ تو نیت تو کرلیں، یہ نصب العین ہو ہمارا کہ ہم نے اللہ کا فرمانبردار بننا ہے، بس! اس نصب العین کے ساتھ کوئی گناہ ہو بھی جائے گا تو معاف ہوجائے گا کہ نصب العین تو نیک بننے کا تھا۔

اللہ سے رحمت کی امید رکھیں:

اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں جو اللہ کی رحمت سے ناامید ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرماتے ہیں۔ ایک حدیث پاک میں ہے، مسند احمد اور سنن ابوداود شریف کی حدیث ہے۔

((كَانَ رَجُلَانِ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ مُتَوَاخِيَانِ وَ كَانَ اَحَدُ هُمَا يَذْنِبُ وَ الْاٰخَرُ يَجْتَهِدُ فِي الْعِبَادَةِ)) (کنز العمال: ۱۰۳۴۸)

''بنی اسرائیل میں دو بھائی تھے۔ ایک ان میں سے بڑا گناہ گار تھا اور دوسرا

بڑا نیک پاک تھا"

وہ جو نیک پاک تھا جب اس گناہ گار کو دیکھتا تھا تو کہتا تھا تو نے نہیں بخشا جانا۔ وہ آگے سے کہتا:

((خَلِّنِیْ وَ رَبِّیْ))

مجھے میرے رب کے ساتھ چھوڑ دو!

میں جانوں اور میرا رب جانے......اس گناہگار کو اللہ سے اتنی امید تھی، اللہ اکبر۔

حتیٰ کہ ایک دن اس نیک نے قسم کھا کر کہہ دیا:

((وَاللّٰهِ لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ))

"خدا قسم تو اتنے کرتوت کرتا ہے اللہ تجھے معاف نہیں کرے گا۔"

اس نے قسم کھائی، اللہ نے فرما دیا کہ اچھا! یہ جو قسم کھا رہا ہے میں اس بندے کو جو میرے ساتھ رحمت کی امید رکھتا ہے معاف کر کے جنت عطا کر رہا ہوں اور اس بندے نے میرے بندے کو مجھ سے نا امید کیا، لہٰذا میں اس کے لیے جہنم تیار کر رہا ہوں۔ تو ہم اللہ سے رحمت کی امید رکھیں کہ مغفرت فرمائے گا۔

مسلمانوں کے گناہ کا بوجھ یہود و نصاریٰ پر:

بہت پہلے حدیث پڑھتے تھے تو حیران ہوتے تھے آج کے دور میں اس کا سمجھنا ذرا آسان ہو گیا ہے۔ حدیث مبارکہ ہے، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس کو نقل فرمایا، مسلم شریف اور کنز العمال کی حدیث ہے۔

((يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ نَاسٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ بِذُنُوْبٍ اَمْثَالِ الْجِبَالِ))

"قیامت کے دن مسلمانوں میں سے کچھ لوگ آئیں گے، جن کے گناہ

پہاڑوں کی طرح بڑے ہوں گے۔"

((فَيُغْفِرُ اللّٰهُ لَهُمْ وَ يَضَعُهَا عَلَى الْيَهُوْدِ وَ النَّصَارٰى))

(مسلم، کنز العمال:۱۰۳۴۱)

اللہ ان کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے اور ان گناہوں کا بوجھ یہود اور نصاریٰ پر ڈال دیں گے۔

حدیث تو پہلے بھی سچی مانتے تھے، اب بھی مانتے ہیں، لیکن پہلے سمجھنا مشکل تھی اب سمجھ جانا آسان ہے۔ اب بتائیں کہ اگر کسی بدبخت نے یہ فیصلہ کیا کہ کوئی مسلمان عورت چہرہ نہیں ڈھانپ سکتی تو اب جتنوں کے چہرے کھلیں گے تو گناہ کس کے اوپر جائے گا؟ اپنے ملک میں جس نے کہہ دیا کہ جی لمبی ڈاڑھی والے اچھے نہیں ہوتے، اب اگر کوئی کٹوائے گا تو گناہ کس کو جائے گا؟ فحاشی کو جنہوں نے عام کر دیا، جنہوں نے چینل کے ذریعے ننگی فلموں کو عام کر دیا اور مسلمان نوجوان اس میں پھنس گئے تو ذریعہ کون بن رہے ہیں؟ اب سمجھ میں بات آئی، چودہ سو سال پہلے واقعی یہ بات اسی اللہ کے نبی ﷺ کی مبارک زبان سے نکل سکتی ہے، دوسرا بندہ کون یہ بات کر سکتا ہے؟ اللہ اس کے گناہ یہود و نصاریٰ کے اوپر ڈال دیں گے، یہ بدبخت وجہ بن گئے ہیں، مسلمان کو مسلمان بن کر رہنے نہیں دے رہے۔ عورتیں ہماری پردہ کرتی ہیں اور دل میں ان کے بوجھ ہوتا ہے، تنگی ان کو ہوتی ہے۔

توبہ سے گناہ کالعدم:

اس لیے حدیث پاک میں فرمایا:

((اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ)) (نوادر الاصول، کنز العمال)

"کہ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں"

ایک نئی زندگی کا آغاز سب پچھلے گناہ معاف۔ یہ جو سیل فون پر کوئی میسج آئے اور آپ Delet ڈیلیٹ (ختم) کر دیں تو اسی طرح توبہ بھی ڈیلیٹ کمانڈ کی مانند ہے۔ آپ نے توبہ کی گناہ ڈیلیٹ ہو گئے، فائل ہی ختم۔ جیسے کمپیوٹر پر کام کرنے والے نے فائل پر کام کیا اور پھر فائل ڈیلیٹ ہو جاتی ہے، ریکارڈ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ تو بھائی ہم بھی اپنے گناہوں کی فائل کو ڈیلیٹ کرتے جائیں۔ کسی کے ساتھ جھگڑے کی فائل کھولی ہوئی ہے، تو اللہ کے لیے معاف کر دیں، چلو فائل ختم۔ کسی کے ساتھ نفسانی محبت کی فائل کھولی ہوئی ہے تو بھئی! اللہ سے معافی مانگ لیں، فائل کلوز۔ کسی کا لینا دینا ہے تو لے دے لیں فائل ختم۔ اپنے کرتوتوں کی فائلیں ہم اسی زندگی میں کلوز کر دیں تاکہ جب قیامت کے دن اللہ رب العزت کے سامنے جائیں تو وہاں ہمارے گناہوں کی کوئی فائل کھلنے والی نہ ہو۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جو اس تیاری کے ساتھ قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے پیش ہو۔

اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ کے منتظر:

اللہ تعالیٰ تو چاہتے ہیں کہ تم توبہ کرو میں قبول کرتا ہوں۔ سنیے! اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ کے منتظر رہتے ہیں۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام سے ارشاد فرمایا:

«اِنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ یَبْسُطُ یَدَهٗ بِاللَّیْلِ لِیَتُوْبَ مُسِیْءُ النَّهَارِ»

”رات کو اپنی رحمت کا ہاتھ پھیلاتے ہیں کہ اے دن کے گناہ کرنے والے تو توبہ کر لے۔“

«وَ یَبْسُطُ یَدَهٗ بِالنَّهَارِ لِیَتُوْبَ مُسِیْءُ اللَّیْلِ حَتّٰی تَطْلَعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا» (مسند احمد، مسلم، کنز العمال:۱۰۱۸۶)

''اور دن کو اپنی رحمت کا ہاتھ پھیلا دیتے ہیں کہ اے رات کے گنہگار توبہ کر لے حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔''

سورج جب مغرب سے طلوع ہوگا اس وقت تک ایسا ہوگا کہ رات کو رحمت کا ہاتھ پھیلائیں گے کہ دن کو گناہ کرنے والا توبہ کر لے، دن میں رحمت کا ہاتھ پھیلائیں گے کہ رات کو گناہ کرنے والا توبہ کر لے، اللہ تعالیٰ منتظر رہتے ہیں۔

اللہ کا محبوب:

جو توبہ کرتا ہے وہ اللہ کا پیارا ہوتا ہے، حدیث پاک میں ہے علی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

((اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُفَتَّنَ التَّوَّابَ))

(مسند احمد، کنز العمال:۱۰۱۸۶)

''اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت فرماتے ہیں جو آزمائش کے بعد توبہ کرے''

اللہ تعالیٰ اپنے اس توبہ کرنے والے بندے سے جو گناہ میں ملوث ہوا مگر توبہ کر لی، زیادہ محبت فرماتے ہیں، اس سے پیار فرماتے ہیں کہ میرا یہ بندہ گناہ میں مبتلا ہوا لیکن یہ گر کے پڑا نہیں رہا یہ گر کے کھڑا ہو گیا۔

توبہ کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی خوشی:

توبہ کرنے والے سے اللہ کتنے خوش ہوتے ہیں؟ حدیث شریف میں آتا ہے فرمایا:

((اَللّٰہُ اَفْرَحُ بِتَوْبَۃِ الْعَبْدِ مِنَ الْعَبْدِ اِذَا ضَلَّتْ رَاحِلَتُہٗ فِی اَرْضٍ فَلَاۃٍ فِی یَوْمٍ قَائِظٍ وَ رَاحِلَتُہٗ عَلَیْھَا زَادُہٗ وَ مَزَادُہٗ اِذَا ضَلَّتْ اَیْقَنَ

بِالْهَلَاكِ وَ اِذَا وَجَدَهَا فَرِحَ بِذٰلِكَ فَاللّٰهُ اَشَدُّ فَرْحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ مِنْ هٰذَا الْعَبْدِ بِوَجُوْدِ رَاحِلَتِهٖ)) (بخاری ومسلم)

''دوپہر کا وقت ہے، بندہ سویا ہوا ہے، ایک درخت کے سائے کے نیچے یا کسی صحرا میں اٹھا تو دیکھا کہ اس کی اونٹنی ہی سامان سمیت چلی گئی، راستے کا پتہ نہیں، پیدل طے نہیں کر سکتا، اور یقین ہو گیا کہ اب مجھے موت سے کوئی چیز بچا نہیں سکتی۔ اب اس مایوس بندے کو اگر سامان سے لدی اونٹنی پھر مل جائے تو کتنی خوشی ہوتی ہے! فرمایا: جتنی خوشی مایوس بندے کو اونٹنی دیکھ کر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کو اپنے گناہ گار بندے کے توبہ کرنے پر اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔''

ایک اور حدیث شریف میں حضرت ابوالجون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((اَللّٰهُ اَشَدُّ فَرْحًا مِّنَ التَّوْبَةِ التَّائِبِ مِنَ الضَّمْاٰنِ الْوَارِدِ))

ایک بندہ بڑا پیاسا ہو اور اس کو ٹھنڈا پانی مل جائے تو کتنی خوشی ہوتی ہے، تو فرمایا جتنی خوشی اس کو ہو رہی ہے اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو بندے کی توبہ پر خوشی ہوتی ہے۔

((وَ مِنَ الْعَقِيْمِ الْوَالِدِ))

اور اگر کوئی عورت جو بانجھ تھی اور پھر اللہ نے اس کو امید لگا دی تو امید لگنے کے بعد کتنی خوشی ہوتی ہے کہ میری شادی کو بیس سال گزر گئے، اب اللہ نے بچے کی امید لگا دی۔ تو فرمایا: جیسے بانجھ عورت کو بچے کے پیدا ہونے پر خوشی ہوتی ہے اللہ کو بندے کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

((وَ مِنَ الضَّالِ الْوَاجِدِ فَمَنْ تَابَ اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا))

اور تیسرا فرمایا: راستہ بھول جانے والا جب مایوس ہو اور پھر اس کو راستہ مل جائے تو جتنی خوشی اس کو ہوتی ہے اللہ کو توبہ کرنے والے سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

((اَنْسَی اللّٰہُ حَافِظِیْہِ وَ جَوَارِحِہٖ وَ بِقَاعَ الْاَرْضِ کُلِّھَا خَطَایَاہُ وَ ذُنُوْبَہٗ)) (کنز العمال:۱۰۱۶۶)

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ گناہ لکھنے والے فرشتوں کو اور بندے کے اعضا کو اور زمین کے حصوں کو اس کی تمام غلطیاں اور گناہ بھلا دیتے ہیں۔

تو توبہ کا ایک فائدہ یہ کہ توبہ کرتے رہیں تو پچھلا حساب کتاب ختم۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین کو گناہ ہی بھلا دیتے ہیں کہ کراماً کاتبین کی یادداشت میں بھی نہ رہے۔

نوجوانوں کی توبہ:

اور پھر نوجوان بندے کی توبہ کو اللہ تعالیٰ بہت پسند فرماتے ہیں، انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ یُحِبُّ شَابَّ التَّائِبِیْنَ (ابوالشیخ، کنز العمال:۱۰۱۸۵)

''بے شک اللہ تعالیٰ نوجوانوں کی توبہ پر خوش ہوتے ہیں''

توبہ کرنے والے جو نوجوان ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی توبہ سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ گرم خون جب توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے اوپر بڑا پیار آتا ہے۔ مگر شیطان پتہ کیا کہتا ہے؟ ایک ہی دفعہ توبہ کرنا۔ بزرگ فرماتے ہیں: اے دوست! تیرا توبہ کی امید پر گناہ کرتے رہنا اور زندگی کی امید پر توبہ کو مؤخر کرتے رہنا تیری عقل کے چراغ کے گل ہونے کی دلیل ہے۔ تیری مت ماری گئی کہ تو زندگی کی امید پر توبہ کو مؤخر کرتا جا رہا ہے۔ اس لیے توبہ کرتے رہیں، کرتے رہیں تاکہ پچھلے گناہوں کا بوجھ سر سے اتر جائے۔

مخفی اور علانیہ گناہوں کی توبہ:

کچھ گناہ انسان خفیہ کرتا ہے اور کچھ سب کے سامنے کرتا ہے، تو شریعت نے کہا کہ مخفی گناہوں کی مخفی توبہ اور اعلانیہ گناہوں کی اعلانیہ توبہ کرے۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''کتاب الزہد'' میں یہ حدیث مرسلاً روایت کی ہے۔

((اِذَا عَمِلْتَ سَيِّئَةً فَاَحْدِثْ عِنْدَهَا تَوْبَةً السِرِّ بِالسِّرِّ وَ الْعَلَانِيَةُ بِالْعَلَانِيَةِ)) (کتاب الزھد، کنز العمال: ۱۰۱۸۰)

''اگر گناہ کیے ہوں تو توبہ کرو! خفیہ گناہ کی خفیہ توبہ اور مجلس میں بیٹھ کے کیے ہیں تو بھی مجلس میں بیٹھ کے معافی مانگو۔''

قیامت کے دن بے خوف انسان:

قیامت کے دن توبہ کرنے والا بے خوف ہوگا۔ وہ کیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

((لَا اَجْمَعُ لِعَبْدِیْ اَبَدًا اَمِنَیْنِ ، وَلَا اَجْمَعُ لَهٗ خَوْفَیْنِ))

''میں کسی بندے پر دو امن جمع نہیں کروں گا، نہ میں کسی بندے پر دو خوف جمع کروں گا۔''

((اِنْ هُوَ اَمِنَنِیْ فِی الدُّنْیَا خَافَنِیْ یَوْمَ اَجْمَعُ فِیْهِ عِبَادِیْ))

''جو اس دنیا میں مجھ سے بے خوف رہا وہ قیامت کے دن جب میں لوگوں کو جمع کروں گا خوف میں ہوگا۔''

((وَاِنْ هُوَ خَافَنِیْ الدُّنْیَا اَمِنْتُهٗ یَوْمَ اَجْمَعُ فِیْهِ عِبَادِیْ))

”جو اس دنیا میں میری خوف کی وجہ سے گناہوں سے توبہ کر لے گا، میں اس بندے کو قیامت کے دن اپنے خوف سے امن عطا فرما دوں گا۔“

توبہ کی حد:

اور گناہ کتنے ہو جائیں تو معاف ہو سکتے ہیں؟ کوئی حد کوئی لمٹ تو ہوتی ہے کہ یہ تمہاری لمٹ ہے اس کے اندر اندر توبہ کر لی تو معاف ورنہ پھر معافی نہیں ہو گی۔ توبہ کے لیے گناہوں کی کوئی لمٹ نہیں ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((لَوْ اَخْطَأْتُمْ حَتّٰى تَبْلُغَ خَطَايَاكُمُ السَّمَاءَ ثُمَّ تُبْتُمْ لَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ)) (ابن ماجہ، کنز العمال: ۱۰۲۲۲)

اتنے گناہ تم نے کیے کہ اگر گناہ اوپر اٹھتے اٹھتے (پہاڑ تو کیا) آسمان تک اونچے ہو جائیں پھر بھی توبہ کر لو تو اللہ توبہ کو قبول فرما لے گا۔

اور جو حقوق العباد ہیں ان سے بہت زیادہ فکر مند رہیں کیونکہ قیامت کے دن جو ظلم ہو گا اور زیادتی ہو گی اس کے بدلے نیکیاں دینی پڑ جائیں گی۔

توبہ میں ٹال مٹول کرنا:

اور یہ توبہ میں جو ٹال مٹول ہے، یہ شیطان کا پکا حربہ اور داؤ ہے کہ اس کو توبہ کی امید لگائے رکھو، حتی کہ موت آ جائے۔ چنانچہ عبدالرحمن بن عوف سے روایت ہے۔

((اَلتَّسْوِيْفُ شِعَارُ الشَّيْطَانِ يُلْقِيْهِ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ))

(مسند الفردوس، کنز الاعمال: ۱۰۲۰۸)

”ٹالنا شیطان کا شعار ہے جو وہ مومنوں کے دلوں میں ڈالتا ہے“

یہ جو توبہ میں ٹال مٹول ہے یہ شیطان کا ہتھیار ہے، وہ مومنوں کے اوپر یہ ہتھیار چلاتا رہتا ہے کہ ابھی نہیں کل کر لینا، پرسوں کر لینا، بعد میں کر لینا۔ آج بچوں کو کہیں کہ یہ نیکی کا کام کرو، وہ کام کرو تو جواب ملتا ہے، میں کون سا اماں دادی بن گئی ہوں۔ سمجھتے ہیں کہ شاید اماں دادی بننے کے بعد نیک بنتے ہیں، اس سے پہلے نیکی کی ضرورت نہیں ہے۔

قبولیتِ توبہ کا وقت:

موت سے پہلے اور سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے بندے کی توبہ کی قبولیت کا وقت ہے۔ فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقْبَلُ تَوْبَۃَ الْعَبْدِ مَالَمْ یُغَرْغَرْ))

(ترمذی، کنزالعمال: ۱۰۱۸۷)

''بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر لیتے ہیں جب تک غرغرہ نہ ہو''

موت سے پہلے یہ انسان کی جو سانس ہے ذرا تیز ہو جاتی ہے، تو تیز سانس سے حلق سے آواز آنے لگ جاتی ہے، اس کو غرغرہ کہتے ہیں۔ یہ جو گھنگھرو بجتے ہیں، اس سے پہلے جس نے توبہ کر لی اس کی توبہ قبول ہوگی۔ جب یہ بج گیا تو اس کی چھٹی۔ اس کے بعد تو فرعون نے بھی کہا تھا:

﴿اٰمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسٰی وَ ھَارُوْنَ﴾

((میں موسیٰ اور ھارون کے رب پر ایمان لاتا ہوں))

فرمایا:

الآن اب توبہ کرتے ہو؟

اب تو لیٹ ہو گیا، اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ تو ہم روزانہ توبہ کریں تا کہ اللہ تعالیٰ

ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے۔

توبۃ النصوح کیا ہے:

یہاں ایک بات ذہن میں آتی ہے کہ توبۃ النصوح کیا ہے؟ ابن ابی حاتم نے روایت کیا نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَلتَّوْبَةُ النَّصُوْحُ اَلنَّدْمُ عَلَى الذَّنْبِ حِيْنَ يَفْرِطُ مِنْكَ فَتَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ثُمَّ لَا تَعُوْدُ اِلَيْهِ اَبَدًا)) (کنزالعمال:۱۰۳۰۲)

''گناہ جب سرزد ہو جائیں تو ان پر ندامت کا نام توبۃ النصوح ہے یوں کہ پھر تو اللہ سے توبہ کر لے اور اس طرف کبھی نہ لوٹنے کا ارادہ کر لے''

نادم ہونا استغفار کرنا اور پھر دل میں پکا عہد کرنا کہ آئندہ گناہ نہیں کرنا۔ تو ان چیزوں سے بندے کی پکی توبہ ہو جاتی ہے۔

توبہ کی توفیق ہر بندے کو نہیں ملتی:

اور یہ توبہ کی توفیق اور مہلت بھی ہر بندے کو نہیں ملتی۔ یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ ہم مسجد میں آجاتے ہیں، اللہ کی توفیق سے علما کی صلحا کی کچھ باتیں سن لیتے ہیں، کچھ دل نرم ہو جاتا ہے، کچھ موم ہو جاتا ہے، کبھی آنکھ میں آنسو آجاتے ہیں اور کبھی دل میں ندامت آجاتی ہے تو توبہ کی توفیق مل جاتی ہے۔ ہر بندے کو تو توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا:

((يَا عَائِشَةُ لَيْسَ كُلُّ النَّاسِ مُرْخًى عَلَيْهِ))

''اے عائشہ! ہر بندے کو ڈھیل نہیں دی جاتی''

تو بھئی! اللہ نے اب تک ڈھیل دی ہے کہ گناہوں کے باوجود اللہ نے دنیا میں

رسوانہیں کیا۔ تو اب ہم اس سے پہلے کہ کوئی عذاب کا کوڑا آئے، اپنے گناہوں سے توبہ کرلیں۔

صلوة التوبة:

ایک طریقہ توبہ کا یہ ہے کہ انسان دو رکعت صلوٰۃ التوبہ پڑھ لے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((مَا مِنْ عَبْدٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا فَيَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِذَالِكَ الذَّنْبِ اِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ))

(کنز العمال: ۱۰۲۷۸)

تو حدیثِ پاک سے ثبوت مل رہا ہے کہ اگر کوئی دو رکعت توبہ کی پڑھ کر اللہ سے گناہ کی معافی مانگے گا تو اللہ اس کے گناہ کو معاف فرمادیں گے۔

روضۂ اقدس پر توبہ:

اور اگر کبھی حج پر جانے کا موقعہ ملے تو بیت اللہ کے سامنے اور روضۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفارشی بنا کر اپنے گناہوں سے معافی مانگیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے تین دن کے بعد ایک دیہاتی آیا اور قبر کی مٹی اپنے سر پر ڈال کر رونے لگ گیا، اس نے روتے ہوئے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ جو قرآن لے کر آئے اس میں ہے کہ

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ (الصفت: ۶۴)

”اگر یہ لوگ آپ کے پاس حاضر ہوں اور اپنے گناہوں کی استغفار کریں تو

اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ بھی ان کے لیے استغفار کریں۔''

اس نے گڑگڑاتے ہوئے یہ آہ وزاری کی کہ میں بھی یارسول اللہ ﷺ آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ میرے لیے بخشش طلب فرمائیں تو قبر مبارک سے ندا آئی کہ تیرے لیے بخشش کردی گئی۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۳۲۹، کنز العمال: ۱۰۴۲۲)

چنانچہ اللہ جب اس جگہ پر پہنچائے تو ہم بھی نبی علیہ السلام کو سفارشی بنا کر اپنے گناہوں پر معافی مانگ لیں۔

توبہ کا اہم مسئلہ:

توبہ کے بارے میں ایک مسئلہ سمجھ لیں کہ اگر تو وہ ہے اللہ کے حقوق سے متعلق کہ نمازیں نہیں پڑھیں، واجبات ادا نہیں کیے تو فرض اور واجب کا اعادہ کرنا ہوتا ہے۔ توبہ کا یہ مطلب نہیں کہ بھئی! جب ہم نے اللہ سے توبہ کرلی تو اس سے ساٹھ سال کی نمازیں معاف۔ ہر فرض واجب کو ادا کرنا ہوتا ہے۔

اور اگر انسان کی عمر ایسی ہے کہ آخری وقت آگیا، اب احساس ہوا اور بیمار بھی ہے تو شریعت نے کہا کہ بھئی! اس کا فدیہ دے دو۔ اس حالت میں ہو کہ نہیں پڑھ سکتے تو فدیہ ادا کردو اور فدیہ ادا کردینے کے بعد بھی دل میں نادم رہو، اللہ سے معافی مانگ لو۔

اور اگر وہ گناہ کسی بندے سے متعلق ہے تو فرمایا کہ اس بندے کا حق ہے تو ادا کرو، یہ نہیں کہ جی میں نے اللہ سے معافی مانگ لی ہے اب کسی سے پانچ لاکھ قرض لیا تھا تو سب معاف، ایسے معافی نہیں ہوتی۔ میں حج کر کے آیا ہوں جتنے لوگوں کا پیسہ دینا تھا وہ سب معاف، ایسے معافی نہیں ہوتی۔ جو مال لیا اس کو ادا کرنا پڑے گا، جو غیبتیں کیں ان کی معافیاں مانگنی پڑیں گی، جو زیادتیاں کیں ان کی معافیاں مانگنی پڑیں

گی۔

اور اگر وہ بندے دنیا سے چلے گئے تو ان کی طرف سے کفارہ ادا کر دو کہ اے اللہ! بندے تو چلے گئے معاف تو کرا نہیں سکتا، یہ جو پیسہ میں دے رہا ہوں ان کی طرف سے صدقہ کے طور پر خرچ کرتا ہوں، اللہ اسے اتنا بڑھا دینا کہ قیامت کے دن جتنا وہ چاہیں، یہ ثواب اتنا ہو جائے کہ وہ راضی ہو جائیں۔

وسعتِ رحمتِ خداوندی:

تاہم اللہ کی رحمت ہمارے گناہوں سے بہت زیادہ ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

((اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی حِیْنَ خَلَقَ الْخَلْقَ کَتَبَ بِیَدِہٖ عَلٰی نَفْسِہٖ اَنَّ رَحْمَتِیْ تَغْلِبُ غَضَبِیْ))

"جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اللہ نے اپنے آپ سے یہ لکھا میری رحمت میرے غضب کے اوپر غالب ہے۔"

رحمت زیادہ ہے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((یَا ابنَ اٰدَمَ اِنَّکَ مَا دَعَوْتَنِیْ رَجَوْتَنِیْ غَفَرْتُ لَکَ عَلٰی مَا کَانَ مِنْکَ وَ لَا اُبَالِیْ))

"اے ابن آدم تو توبہ کرے گا، معافی مانگے گا، روئے دھوئے گا، میں تیرے سب گناہوں کو معاف کر دوں گا اور مجھے اس کی پرواہ ہی نہیں۔"

((یَاابْنَ اٰدَمَ لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُکَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِیْ غَفَرْتُ لَکَ وَلَا اُبَالِیْ))

''اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں تک پہنچ جائیں اور تو معافی مانگے گا تو میں پھر بھی گناہوں کو معاف کر دوں گا اور مجھے کچھ پروا نہیں ہو گی۔''

((یَاابْنَ آدَمَ لَوْ اَنَّكَ اَتَیْتَنِیْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطَایَا ثُمَّ لَقِیْتَنِی لَاتُشْرِكُ بِیْ شَیْئًا لَاَتَیْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً)) (ترمذی، کنز العمال:۱۰۲۱۶)

اگر تو جتنی زمین ہے اگر یہ گناہوں کی بھری ہوئی میرے پاس لائے اور میرے ساتھ اس حال میں ملاقات کی کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا ہو گا۔ تو میں اتنا ہی بڑا مغفرت کا پہاڑ لے کر آؤں گا اور تیرے گناہوں کو معاف کر دوں گا۔

شرک کا وبال:

ایک ہوتا ہے شرک جلی اور ایک ہوتا ہے شرک خفی، شرک جلی تو ہم سمجھتے ہیں کہ بندے کو سجدہ کرنا یا درخت کو سجدہ کرنا یا مورتیوں کو سجدہ کرنا، ہم سمجھتے ہیں کہ یہ شرک ہے۔

ایک ہے شرکِ خفی، اس کا ڈر زیادہ ہے اور بہت لوگ اس کے مرتکب ہوتے ہیں اور وہ کیا ہے؟ ماسوا سے محبت کرنا، یہ جو مخلوق سے شیطانی نفسانی شہوانی محبتیں ہیں نا یہ بھی شرک ہے، یہ بھی نفس کو پوجنا ہے۔ ایک ہوتا ہے بت پرست، ایک ہوتا ہے زر پرست، ایک ہوتا ہے زن پرست، اور ایک ہوتا ہے نفس پرست۔ تو یہ نفس پرستی یا زن پرستی ہے، یہ بت پرستی کی اقسام میں سے ہے، خدا پرستی کوئی اور چیز ہے۔

صبح شام مسجد میں جماعت کے لیے بیٹھے ہوتے ہیں اور میسجز بھیج رہے ہوتے ہیں اور پڑھ رہے ہوتے ہیں، یہ بھی تو خفیہ شرک ہے نا جو کر رہے ہوتے ہیں۔ ''تو میرا دین ایمان سجنا'' کہ مخلوق کے ساتھ ایسی محبت جو اللہ سے کرنی چاہیے۔ اللہ کے حکم کو چھوڑا اور مخلوق کو محبت کے لیے پسند کیا۔ یہ نفس پرستی اور خفیہ شرک آج کے زمانے میں

بہت زیادہ ہے۔ اگر مجمعے میں دیکھا جائے کہ کس گناہ کی وجہ سے لوگ جہنم میں جائیں گے تو آج کے دور میں اکثر لوگ اس سیل فون کی مصیبت کی وجہ سے جہنم میں زیادہ جائیں گے۔ کہیں نہ کہیں گناہ کا رشتہ جڑا ہوا ہے۔ نمازیں بھی پڑھتے ہیں، تہجد بھی پڑھتے ہیں، اور ذکر بھی کرتے ہیں اور کہیں نہ کہیں رپھڑا بھی ہے۔ یہ بھی شرک ہے، اس سے بھی توبہ کرنی پڑے گی، تب اللہ کی محبت کی حلاوت نصیب ہوگی۔

طویل العمر سے خصوصی رعایت:

ہاں اگر توبہ کرنے والا زیادہ عمر کا ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی نرمی فرما دیتے ہیں۔ آپ نے دنیا میں دیکھا ہے نا کہ جب ذرا عمر میں بڑا ہو جائے تو بوجھ گھٹا دیتے ہیں کہ بھئی اتنی سروس والا ہو گیا، اب تھوڑی محنت کرے گا ہم زیادہ تنخواہ دے دیں گے۔

حدیث پاک میں ہے:

((اِذَا بَلَغَتْ رَجُلٌ مِنْ اُمَّتِیْ سِتِّیْنَ سَنَۃً لَقَدْ اَعْذَرَ اللّٰہُ اِلَیْہِ فِی الْعُمُرِ))

''میری امت کا بندہ جب ساٹھ سال کا ہو جاتا ہے، اللہ اس کی عمر کے ساٹھ سال کو عذر کے طور پر قبول فرما لیتے ہیں''

یہ ساٹھ کا ہو گیا کلمہ پڑھتے پڑھتے، اب میں اس بندے کو کیا عذاب دوں؟ میں نے اس کے سب گناہوں کو معاف کر دیا۔

چالیس سال کی عمر والے کو نصیحت:

ایک حدیث پاک میں علی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال کی عمر

کو پہنچنے والے کو نصیحت فرمائی۔

«اِذَا اَطَالَ الْعَبْدُ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً يَجِبُ عَلَيْهِ اَنْ يَّخَافَ اللّٰهَ وَ يَحْزَنَ»

''کہ جب بندہ چالیس سال کا ہو جائے تو اس کے اوپر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور گناہوں کو چھوڑ دے۔''

گناہ کرتے کرتے چالیس سال ہو گئے، اب تو اسے گناہوں کو چھوڑ دینا چاہیے، اب وہ جوانی مستانی تو نہیں رہی بزرگوں نے کتابوں میں لکھا ہے کہ چالیس سال کی عمر گناہ کرتے کرتے ہو جائے اور بندہ توبہ نہ کرے تو پھر شیطان اس کے منہ پہ ہاتھ پھیرتا ہے، کہتا ہے کہ تجھے مبارک ہو کہ تو میرا پکا مرید ہے، اب تیرا میرا رشتہ نہیں ٹوٹ سکتا۔ بھئی! اس سے پہلے کہ شیطان کے مریدوں میں نام لکھا جائے، ہم رحمٰن کے بندوں میں نام لکھوالیں، توبہ کر کے۔

تین غلطیاں معاف:

تین غلطیاں اللہ نے اس امت سے اٹھا لی ہیں، یہ نبی ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا صدقہ ہے، ثوبان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

«رُفِعَ عَنْ اُمَّتِيْ الْخَطَاوَ النِّسْيَانُ وَ مَا اُكْرِهُوْا اِلَيْهِ»

(کنز العمال: ۱۰۳۰۷)

''میری امت سے خطا، نسیان اور جبر سے کیا ہوا کام اٹھا لیا گیا''

تین گناہ ہیں جو اللہ نے امت سے معاف کر دیے، ایک خطا اور دوسرا بھول چوک نسیان اور تیسرا کہ دل راضی نہ ہو اور پھر گناہ کرنا پڑ جائے، جبر کے ساتھ کوئی گناہ کروائے، بندے کا دل نہیں چاہتا۔ ﴿اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ

بِالْاِیْمَانِ﴾ یہ اللہ کی کتنی بڑی رحمت ہے۔

مرفوع القلم لوگ:

اور تین بندے تو ایسے ہیں کہ ان کا عمل لکھا ہی نہیں جاتا۔

((رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلٰثَةٍ))

''تین بندوں سے قلم اٹھالیا گیا۔''

فرشتوں کو کہہ دیا کہ تم نے کچھ نہیں لکھنا۔ کون سے تین بندے؟

(۱)...... ((عَنِ الْمَجْنُوْنِ الْمَغْلُوْبِ عَلٰى عَقْلِهٖ حَتّٰى يَبْرَحَ))

''مجنون بندہ جو پاگل ہو۔''

(۲)...... ((وَ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ))

''سونے والا جب تک وہ اٹھ نہ جائے۔''

سونے کی حالت میں اگر کوئی ایسا عمل ہو جائے جو شریعت کے خلاف ہو تو وہ معاف ہے۔

(۳)...... ((وَ عَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ)) (ابن نجار، کنز العمال: ۱۰۳۹۵)

''اور چھوٹا بچہ حتی کہ وہ بالغ ہو جائے۔''

تو تین کے گناہ تو ویسے ہی معاف ہو جاتے ہیں۔

گنہگاروں کا غفور رب:

اور جنتی جب جنت میں جائیں گے تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے سونے کے ساتھ تین سطریں لکھی ہوئی دیکھیں، پہلی پر لکھا ہوا تھا۔

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ))

اور دوسرے پر لکھا تھا:

((مَا قَدَّمْنَا وَجَدْنَا ، وَمَا اَكَلْنَا رَبِحْنَا ، مَا خَلَّفْنَا خَسِرْنَا))

''جو ہم نے آگے بھیجا اس کو ہم نے پالیا، (یعنی نیک اعمال)

''اور جو ہم نے کھالیا ہم نے اس کا نفع اٹھالیا۔''

''اور جو پیچھے ہم چھوڑ آئے وہ خسارے میں۔''

مال اس نے جمع کیا، لطف اس کی اولاد نے لیے، حساب اسے دینا پڑ گیا۔

اور تیسری سطر:

((اُمَّةٌ مُذْنِبَةٌ وَ رَبٌّ غَفُوْرٌ)) (ابن نجار، کنز العمال: ۱۰۳۹۵)

''کہ یہ امت گناہ گار ہوگی مگر ان کا پروردگار گناہوں کو معاف کرنیوالا ہے۔''

سعادت مند انسان:

اس لیے کسی بندے کو عمر نیکی والی ملے تو وہ سعادت مند انسان ہوتا ہے۔

جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ مِنْ سَعَادَةِ الْمَرْءِ اَنْ يَّطُوْلَ عُمَرُهٗ وَ يَرْزُقَهُ اللّٰهُ مِنْ اِنَابَةٍ))

(مستدرک، حاکم، کنز العمال)

''بندے کی سعادت میں سے ہے کہ عمر لمبی ہو اور اللہ اسے نیکی اور انابت کی توفیق عطا فرمادے۔''

یعنی عمر بھی لمبی ہو اور نیکی کی بھی توفیق ملے تو وہ سعادت مند انسان ہے۔

معذرت کی شرمندگی اٹھانے سے بچیں:

لیکن سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ بندہ گناہ ہی نہ کرے کہ معذرت ہی نہ کرنی

پڑے۔ آپ کپڑے کو کاٹ کے سییں تو جڑ تو جاتا ہے مگر پہلے جیسا تو نہیں ہوتا، تو بھی افضل تو وہی جو کوئی گناہ ہی نہ کرے۔ نبی ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا:

((اَقِلِّی مِنَ الْمَعَاذِیْرِ)) (مسند الفردوس دیلمی، کنز العمال:۱۰۲۰۱)

''معذرتیں کم کرو''

گناہ کرکے اللہ کے سامنے معذرتیں کرنے سے پرہیز کرو! گناہ ہی نہ کرو! اصل تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں سے ہی بچالے۔

استغفار کا معمول:

تاہم اس کے لیے مشائخ روزانہ جو استغفار بتاتے ہیں کہ سو مرتبہ استغفار کرنا چاہیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((یَآ اَیُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلٰی رَبِّکُمْ فَوَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَتُوْبُ مِنَ اللّٰهِ مَائَةَ مَرَّةٍ)) (مسلم، کنز العمال:۱۰۳۰۷)

''لوگو! اپنے رب کے سامنے توبہ کرلو، میں دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں''

حالانکہ نبی علیہ السلام تو بخشے بخشائے ہیں

﴿لِیَغْفِرَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ﴾

''اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادیے ہیں''

مگر امت کی تعلیم کے لیے اللہ کے حبیب ﷺ دن میں سو مرتبہ استغفار فرماتے تھے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے روایت فرمائی کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَاِنْ عَادَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّةً))

(سنن ابی داود، کنز العمال:۱۰۳۰۷)

کہ اگر بندے نے دن میں ستر مرتبہ گناہ کیا اور ستر مرتبہ معافی مانگی تو اسے گناہوں پر اصرار کرنے والا شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ معافی تو مانگ رہا ہے۔ اس لیے ہم استغفار کا معمول بنائیں اور اپنے اللہ سے گناہوں کی معافی مانگیں۔

حدیث پاک میں ہے:

((طُوْبٰی لِمَنْ وَّجَدَ فِیْ صَحِیْفَتِهٖ اِسْتِغْفَارًا کَثِیْرًا))

وُجِدَ یَا وَجَدَ دونوں پڑھے جا سکتے ہیں، مبارک ہو اس کے لیے کہ قیامت کے دن جس کے نامۂ اعمال میں زیادہ استغفار کو دیکھے گا۔ تو بھی اگر پورا استغفار نہیں پڑھ سکتے تو استغفر اللہ استغفر اللہ ہی کہتے رہیں۔

لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ بیٹے! اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ کثرت سے کہتے رہنا، اللہ کی رحمت کے کچھ اوقات ایسے ہوتے ہیں کہ بندہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِی کہتا ہے، اللہ سب گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ تو ہم بھی اپنے گناہوں کی اپنے اللہ سے معافی مانگیں کہ اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے۔

توبہ میں چھ چیزیں:

اب توبہ کی تو تفصیلات آپ نے سن لیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مرتبہ ایک اعرابی نے کہا:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْكَ))

انہوں نے فرمایا کہ

((یَا ھٰذَا اِنَّ سُرْعَةَ الْاِسْتِغْفَارِ بِالتَّوْبَةِ تَوْبَةُ الْكَذَّابِیْنَ))

"یہ استغفار اور توبہ اتنی جلدی کرنا یہ تو جھوٹوں کی توبہ ہے"

((قَالَ الْاَعْرَابِیُّ مَا التَّوْبَةُ))

تو اعرابی نے پوچھا کہ توبہ ہے کیا؟

تو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے اسے سمجھایا:

((قَالَ یَجْمَعُهَا سِتَّةُ اَشْیَاءَ))

''توبہ میں چھ چیزیں ہوتی ہیں''

﴿۱﴾ عَلَی الْمَاضِیْ مِنَ الذُّنُوْبِ النَّدَامَةُ

''کہ گناہوں پر جو وقت گزر گیا اس پر ندامت ہو۔''

﴿۲﴾ وَ لِلْفَرَائِضِ اِعَادَةٌ ،

''جو فرض واجب ذمے ہیں اس کو لوٹانا۔''

﴿۳﴾ وَ رَدُّ الْمَظَالِمِ

''اور جو ظلم کیے زیادتیاں کی ان کو بخشوانا ان کی معافی مانگنا''

﴿۴﴾ وَ اِسْتِحْلَالُ الْخُصُوْمِ

''اور جھگڑوں کو سمیٹنا جھگڑے جن کے ساتھ ہوں تو بھی معاف کر دینا معافی مانگ لینا رفعہ دفعہ کر دینا اور فرمایا''

﴿۵﴾ وَاَنْ تَعْزِمَ اَنْ لَّا تَعُوْدَ

''اور عزم کرنا کہ اب گناہ پھر نہیں کرنا۔''

﴿۶﴾ وَاَنْ تُذِیْبَ نَفْسَكَ فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ كَمَا اَذَبْتَهَا فِی الْمَعَاصِیَةِ

''اب اپنے نفس کو اس طرح نیکی میں مجاہدے میں ڈالو جیسے تم نے معصیت میں اس کو ڈالا اور کوشش کر کے معصیت کی۔''

وَ اَنْ تُذِیْقَهَا مُرَارَةَ الطَّاعَةِ كَمَا اَذَقْتَهَا حَلَاوَةَ الْمَعَاصِیْ

اور اپنے نفس کو نیکی کا ذائقہ طاعات کی لذت چکھاؤ جیسے تم نے اسے معاصی کی

لذت سکھائی ہے۔

یہ جو انسان کے اوپر بوجھ ہوتا ہے نا راتوں کو اٹھنا، دن میں نیکی کرنا، نگاہوں کو بچانا تو اس کو طاعات کی ترشی چکھاؤ، اب ذرا اس کو نیکی کی دشواری چکھاؤ تا کہ اسے پتہ چلے کہ اس طرح توبۃ النصوح بنتی ہے۔

دنیا میں ایسے لوگ بھی گزرے کہ جن کے پاس گناہوں کے مواقع موجود تھے مگر انہوں نے پھر بھی توبہ کی۔ اس عاجز نے دو واقعات چنے تھے، ایک نوجوان عورت کا اور ایک نوجوان مرد کا کہ انہوں نے کیسے توبہ کی لیکن وقت کو دیکھتے ہوئے میں ایک واقعے کو ڈراپ کرتا ہوں۔

ایک بادشاہ کی باندی کی توبہ:

ہشام بن عبداللہ ایک بادشاہ تھا۔ اس کی ایک خوبصورت باندی تھی جس کا نام غضیض تھا۔ اس کے پاس حسن بھی ہے، مال و متاع بھی ہے، بادشاہ کی محبتیں بھی ہیں، آنکھ کے اشارے سے کام ہوتے ہیں، منہ سے لفظ نکلتا ہے پورا ہوتا ہے، گناہ کرنے کی ہر سہولت موجود ہے، ٹھاٹ کی زندگی گزر رہی تھی۔ جو بادشاہِ وقت کی بیوی ہوگی وہ کیا مزے کی زندگی گزارتی ہوگی۔

اس نے ایک مرتبہ جنازہ جاتے دیکھا، اس جنازے کے دیکھنے سے اس کے دل پر چوٹ پڑی کہ میں ساری عمر یونہی جوان تو نہیں رہوں گی، مس یونیورس نہیں رہوں گی، مجھے بھی موت آنی ہے تو دنیا میں تو یہ محل ملا تو آخرت میں مجھے کیا ملے گا؟ اس نے ہشام بن عبدالملک سے کہا کہ بس مجھے عبادت کے لیے فارغ کر دو۔ ہشام نے کہا کہ تو اتنی خوبصورت ہے کہ میں تیرے بغیر نہیں رہ سکتا، اس نے اس کو کہا کہ اس بات کو منانے کے لیے میں تیرے پاؤں بھی پکڑوں گی کہ تو مجھے عبادت کے لیے

فارغ کر دے۔ دل بدل گیا تھا دل نے سمجھ لیا کہ عمر تو گزر گئی، اب آگے کی تیاری کرنی چاہیے۔ چنانچہ ہشام نے اس کو فارغ کر دیا، یہ وہاں سے چلی اور مکہ مکرمہ آئی اور باقی زندگی اس نے حرم شریف کے اندر عبادت کرنے میں گزار دی، حتی کہ وہیں اس کی موت آئی۔

تو ہمارے پہلے لوگوں نے اس لیے توبہ نہیں کی کہ گناہ کرنا مشکل تھا اس لیے توبہ کی کہ حقیقتِ زندگی سمجھ میں آگئی۔ یہ ہے توبہ بائی چوائس۔

ایک شہزادے کی قابل رشک توبہ:

اور دوسرا بندہ جس کا واقعہ ذرا تفصیل سے سنانا ہے، وہ تھا علی بن مامون۔ مامون بادشاہ گزرا ہے، اس کا بیٹا علی تھا، بڑا گلفام، اتنا خوبصورت کہ لوگ اسے یوسف کی مثال دیتے تھے، وقت کا یوسف۔ اتنا خوبصورت نوجوان اور اس پر یہ کہ باادب بھی تھا، اخلاق وآداب اس میں بہت اچھے تھے۔ فصیح اللسان بھی تھا، قادر الکلام انسان تھا، بات کرنا بھی جانتا تھا، نرم مزاج تھا اور ہنس مکھ تھا اور باحیا بھی تھا۔ یہ تمام خوبیاں اس ایک نوجوان کے اندر جمع تھیں۔ باپ کو اپنے بیٹے سے اتنی محبت تھی کہ بس عاشق تھا۔ کتابوں میں لکھا تھا کہ باپ اپنے بیٹے کے چہرے سے نگاہیں نہیں ہٹاتا تھا۔ اللہ نے اس کو جمال بھی دیا اور فضل وکمال بھی دیا۔

گرمی کا موسم، دوپہر کا وقت، بادشاہ کا دستر خوان لگا، بادشاہ نے غلام کو بھیجا کہ جاؤ علی کو بلا لاؤ۔ شہزادے علی کو بھوک اتنی نہیں تھی تو اس نے پیغام بھیجا کہ بادشاہ سلامت اجازت ہو تو میں اس وقت کھانا تو کھانا نہیں چاہ رہا، بادشاہ نے کہا کہ کھانا نہ کھاؤ چہرہ تو دکھاؤ۔ چنانچہ علی وہاں چلا گیا، رنگ برنگے اور بڑے لذیذ کھانے پڑے ہوئے تھے۔ مشروبات ہیں، معقولات ہیں، جو اس کے نصیب میں تھا اس نے کھایا۔

جب فارغ ہو کر آیا تو اس نے دریائے دجلہ کے اوپر ایک بالا خانہ بنوایا ہوا تھا، کہنے لگا کہ میں ذرا اس بالا خانے میں جا کر بیٹھتا ہوں، دریا کے اوپر۔ چنانچہ وہ بالا خانے پر جا کر بیٹھ گیا۔ نیچے لوگ آتے جاتے تھے، دیکھتے تو پتہ چلتا تھا کہ کون آ رہا ہے؟ کون جا رہا ہے؟ وہاں اس نے پانی منگوایا، برف منگوائی خوشبو بھی منگائی اور ٹھنڈے پانی سے غسل بھی کر رہا ہے اور خوشبو سے بھی محظوظ ہو رہا ہے کہ گرمی کا اس وقت میں یہی علاج تھا۔

اتنے میں ایک مزدور آیا جس کے سر کے اوپر ایک ٹوکری تھی اور اس نے گرمی کے موسم میں اون کی چادر باندھی ہوئی تھی۔ اون کی چادر تو سردیوں میں باندھنا مشکل ہوتی ہے لیکن اس نے گرمیوں کے موسم میں اون کی چادر باندھی ہوئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کے پاس اور کپڑا نہیں تھا۔ اور اس کے پاؤں میں گرمی سے بچنے کے لیے جوتے بھی نہیں تھے۔ اس نے پاؤں کے اوپر کپڑے کے چھوٹے چھوٹے پرزے لپیٹے ہوئے تھے تاکہ میرے پاؤں زمین کی حرارت سے جلیں نہیں۔ اب وہ اسی حال میں سر کے اوپر ٹوکرا اٹھا کر لایا، اس نے ٹوکرے کو نیچے رکھا اور اس سے تگاری نکالی۔ پتہ چلا کہ یہ مزدور ہے اور کہیں تعمیر کنسٹرکشن کے کام میں حصہ لیتا ہے۔ اور پھر اس کے ہاتھ پاؤں پر مٹی لگی ہوئی تھی، اس نے ہاتھ پاؤں دھوئے اور اس میں سے ایک تھیلا نکالا اور تھیلے کے اندر خشک روٹی کے ٹکڑے تھے، اس کو دستر خوان بنا دیا اور ٹکڑے اس کے اوپر رکھ دیے، پھر اس کے بعد اس نے نمک نکالا، سالن نہیں تھا، وہ خشک روٹی کو نرم کرنے کے لیے پانی میں بھگوتا تھا اور تھوڑا سا نمک لگا کے کھا لیتا تھا۔ اور بڑی لذت سے اس نے کھانا کھایا، کھانے کے بعد اس نے دعا مانگی اور دعا میں یہ کہا کہ اے اللہ! تیری میرے اوپر بے انتہا نعمتیں ہیں، میں تو ان کا

شکر بھی ادا نہیں کر سکتا۔ جب اس نے یہ لفظ کہے کہ اے اللہ! تیری میرے اوپر بے انتہا نعمتیں ہیں میں تو شکر بھی ادا نہیں کر سکتا، علی کے دل پر چوٹ پڑی، یہ بات اسے تیر کی طرح جا کے لگی کہ میری زندگی دیکھو اور میں کیا بڑے غصے اور ناخوشی کا اظہار کر رہا ہوں، کہ گرمی ہے، پسینہ ہے اور اس بندے کو دیکھو کہ اس حال میں بھی اللہ کا شکر ادا کر رہا ہے۔ پھر تھوڑی دیر قیلولہ کی نیت سے لیٹا، اٹھا، وضو کیا، نماز پڑھی، دعا مانگی۔ پھر علی نے اپنے غلام کو بھیجا کہ جاؤ اس مزدور کو میرے پاس لے کر آؤ۔ جب غلام بلانے کے لیے گیا تو اس نے کہا کہ بھئی! میرا کیا کام شہزادے سے، میں نہیں آتا۔ اس نے کہا کہ بھئی! اس نے بلایا ہے، تمہیں آنا پڑے گا، سیدھی طرح نہیں آؤ گے تو زبردستی لے جائیں گے۔ جب اس نے یہ کہا کہ زبردستی لے جائیں گے تو اس نے کہا کہ

﴿عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ﴾

”کہ ہو سکتا ہے کہ تم کسی بات سے کراہت کرو اور اللہ نے اس میں تمہارے لیے خیر ڈالی ہو“

تو وہ چل پڑا اس حال میں ٹوکری تھیلا اور سب چیزیں لے کر علی کے پاس آیا۔ علی نے اپنے پاس بلا کے قریب بٹھا لیا اور پھر پوچھا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ میں اللہ کا بڑا شکر ادا کرتا ہوں۔ پوچھا: مزدوری کرتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں ایک میری والدہ ہے جو اپاہج ہے اور ایک میری بہن ہے جو اندھی ہے، اور ان دونوں کا کفیل میں ہوں تو مجھے مزدوری کرنی پڑتی ہے تو اس نے کہا کہ تم ان کے کفیل ہو تو کھانا الگ کیوں کھایا؟ کہ بھائی اگر ماں اپاہج ہے اور بہن اندھی ہے تو تم بیٹھے یہاں کھانا کھا رہے ہو؟ تو اس نے کہا کہ جی وہ دونوں روزہ دار ہیں، وہ رات کو افطار کریں گی، میں

مزدوری کرتا ہوں، دن میں بھوک لگتی ہے اس لیے میں نے یہاں کھانا کھا لیا۔ اس نے پوچھا اچھا کتنا کام کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ جی میں فجر سے لے کر عصر تک مخلوق کی مزدوری کرتا ہوں اور عصر سے لے کر فجر تک اپنے مالک الملک کی مزدوری کرتا ہوں۔ تو شہزادہ تیز تھا تو پوچھنے لگا آرام نہیں کرتے؟ تو مزدور نے جواب دیا کہ اللہ کے سامنے پیشی کے خوف نے میری راتوں کی نیند اڑا دی۔

اس کی حالت سننے کے بعد علی اپنے غلام شاکر سے کہا کہ بھئی اس مزدور کو پانچ ہزار درہم دے دو۔ اس زمانے میں پانچ ہزار درہم ایسے جیسے پانچ لاکھ روپے ہوتے ہیں، بڑی اماونٹ تھی۔ اس نے انکار کیا کہ جی نہیں میں آپ سے پیسے نہیں لوں گا۔ علی نے کہا کہ لے لو اس نے کہا کہ مجھے ضرورت نہیں ہے، تو علی کہنے لگا: تمہیں اس کی ضرورت نہیں لیکن مجھے ضرورت ہے کہ آپ میرے اس ہدیے کو قبول کر لیں۔ تو مزدور نے کہا کہ مجھ جیسے کی کیا اہمیت کہ مجھے ہدیہ دیں۔ یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ فقط وہ اپنی غربت پر اللہ سے راضی ہی نہیں تھا بلکہ اپنے اندر اس نے عاجزی بھی پیدا کی تھی، اپنی نیکیوں پر نازاں نہیں تھا۔ علی نے کہا کہ جی آپ میرے لیے دعا کر دینا، جب مزدور نے کہا کہ میرا اللہ کے ہاں کوئی درجہ ہی نہیں کہ میں کوئی دعا کروں، یہ اللہ والوں کی پہچان ہے کہ دیکھو سامنے والا کیا کہہ رہا ہے اور وہ کیسے نفی کرتے جا رہے ہیں کہ نفس پھولنے نہ پائے۔ اس نے کہا کہ میرا اللہ کے ہاں کوئی درجہ نہیں کہ میں آپ کے لیے دعا کروں؟ تو علی بھی تیز تھا کہنے لگا کہ اچھا مجھے نصیحت کریں؟ چونکہ نصیحت تو ہر ایک کو کرنی چاہیے، چاہے وہ گناہ گار ہی کیوں نہ ہو؟

﴿ وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ (ذٰریٰت:۵۵)

''نصیحت کیجیے کہ نصیحت مومنوں کو فائدہ دیتی ہے''

تو اس پر اس مزدور نے کہا کہ علی جب تم نے لمبے سفر پہ جانا ہوتا ہے تو کس وقت چلتے ہو؟ اس نے کہا کہ صبح سویرے، تو اب مزدور نے کہا کہ آخرت کا سفر بھی تو لمبا سفر ہے کیا اس کے لیے کوئی تیاری شروع کی؟ اللہ اکبر! دیکھو اس ادنیٰ سے مزدور نے کتنے آرام کے ساتھ ایک شہزادے کے سینے کے اوپر تیر چلایا کہ آخرت کا سفر تو سب سے لمبا ہے اور تم جوان ہو گئے ہو اور تم نے اپنی بھی تیاری شروع نہیں کی۔ تو پھر کہا: علی! نافرمانی سے بچنا، موت کو یاد کرتے رہنا۔ دو حرفی بات جس کو کہتے ہیں کہ، ''نافرمانی سے بچنا اور موت کو یاد رکھنا'' یہ باتوں کا لب لباب ہے۔ علی نے کہا کہ دعا کریں تو اس نے دعا مانگی: اے اللہ! علی کے دل سے دنیا کی محبت کو نکال دے اور اپنی رضا والے اعمال کی اس کو توفیق دے دے اور اس کا خاتمہ معافی پر فرما دے۔ کیا خوبصورت دعا ہے! علی نے کہا: جی آپ کی کوئی ضرورت؟ اس نے کہا کہ میری ضرورت یہ ہے کہ آپ مجھے جلدی فارغ کر دیں، یہی میری ضرورت ہے۔

علی نے اس کو تو بھیج دیا لیکن بہت دیر تک وہ روتا رہا، پھر اس نے ہم نشینوں سے کہا: اس مزدور کا حال دیکھو اور ہمارے دستر خوان کا حال دیکھو۔ اور پھر اس نے اپنے دستر خوان کے ماکولات اور مشروبات کی تفصیل سنائی کہ ہمارے کیسے لذیذ اور پر تکلف کھانے ہوتے ہیں۔ پھر اس کا ایک لائبریرین تھا جو اس کا نوجوان دوست تھا۔ اس کا نام تھا منیب، اس نے کہا کہ منیب! جاؤ ذرا عمر رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی والی فلاں کتاب لاؤ تو وہ کتاب لے آیا، اس نے پڑھ کر سنایا کہ عمر کا کھانا کیسا تھا؟ کہ ایک دفعہ بیوی نے اچھی چیز پکا کر دے دی تھی تو فرمایا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو قیامت کے دن اللہ پوچھے:

﴿اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا﴾

(سورۃ الاحقاف:۲۰)

عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب انہیں کوئی مشروب دیا جاتا تھا تو وہ ہمیشہ آنسوؤں کی ملاوٹ کے ساتھ پیا کرتے تھے، مشروب میں آنسو گرتے تھے اور آنسوؤں کی ملاوٹ سے مشروب پیتے تھے کہ میں اللہ کی اتنی نعمتیں استعمال کر رہا ہوں قیامت کے دن ان کا جواب کیسے دوں گا؟ پھر انہوں نے عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنایا کہ موت کے قریب انگور کا خوشہ کھانے کی دل میں خواہش ہوئی اور منگایا مگر منگوا کر فقیر کو دیکھ کر اس کو دے دیا، کھایا نہیں کہ میں نے اس کو آخرت کے لیے ذخیرہ بنا دیا۔ پھر انہوں نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب منگائی اور ان کے حالات پڑھ کے سنائے کہ انہوں نے کیسے دنیا کو آخرت کے لیے ایک طرف رکھ دیا۔ پھر انہوں نے سعید بن المسیب کے حالات منگائے، پڑھ کر سنایا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش! اللہ میرا رزق گٹھلی چوسنے میں رکھ دیتا تا کہ مجھے بار بار بیت الخلا جانے کی حاجت نہ ہوتی۔ یا اللہ! یہ سعید بن المسیب تابعین میں افضل مقام رکھنے والے تھے، وہ فرماتے تھے کہ کاش اللہ میرا رزق گٹھلی چوسنے میں رکھ دیتا کہ گٹھلی چوس کر میری بھوک اتر جاتی تو مجھے بار بار بیت الخلا نہ جانا پڑتا۔ پھر اس نے مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے حالات سنائے کہ جس نے تھوڑے کو زیادہ کے بدلے بیچ دیا اور باقی کو پانی کے اوپر ترجیح دی اور دنیا سے بھوکے پیاسے ننگے سر ننگے پاؤں نکل گئے اور کہا کہ نہ زمین نے ان کی چربی کھائی نہ زمین نے ان کا گوشت کھایا۔ یہ ایسے لوگ تھے کہ جو اتنی نیکیاں کر گئے کہ اللہ نے ان کے جسموں کو قبر میں سلامت رکھا۔ پھر اس نے اپنا بازو دکھایا تو کہنے والا کہتا ہے کہ چاندی سے ڈھلا ہوا تھا، اس کا بازو اتنا خوبصورت تھا، اور کہنے لگا کہ دیکھو کہ اس گوشت کو قبر کے اندر کیڑے کھائیں گے۔

پھر اس کے بعد اپنے ہم نشینوں سے اس نے کہا کہ میں ایک کام کے لیے جاتا ہوں اور اپنے غلام شاکر کو کہا کہ تم میرے پیچھے مت آنا، میں سردار کے پاس جا رہا ہوں۔ وہ سمجھا کہ بادشاہ کی طرف جا رہے ہیں۔ وہ بالا خانے سے نیچے اتر کر کشتی لے کر واقف ایک شہر تھا، وہاں چلے گئے اور واقف سے پھر دجلہ چلے گئے اور وہاں جا کر اسی مزدور کی طرح مزدوری کرنی شروع کر دی، معمولی لباس پہنتا، خشک روٹی ہوتی نمک کے ساتھ کھالیتا، دن مزدوری میں گزار دیتا اور رات میں اللہ کی عبادت میں گزارتا۔ نازک بندہ تھا۔ بادشاہ نے بڑا اس کو ڈھونڈوایا مگر یہ معمولی کپڑوں میں مزدور بن کے مزدوری کرتا رہا۔ بھئی بادشاہ نے چپہ چپہ چھان مارا اس کا پتہ نہ چل سکا کیونکہ اس نے اتنی لو پروفائل زندگی اختیار کر لی تھی۔ مگر جسم تو اتنا مجاہدہ برداشت نہیں کر سکتا تھا، نازک بندہ تھا، نعمت کا پلا ہوا تھا۔ مسجدوں میں یہ رات کو سوتا اور عبادت میں لگا رہتا، بیمار ہو گیا علاج معالجہ تو کیا مگر ایک وقت آیا کہ مسجد کے اندر ہی اس کی سانس نکلی اور روح پرواز کر گئی۔ ایک بندہ اس کے قریب تھا، اس نے پوچھا کہ اے اجنبی نوجوان! تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ یہ میرا خط ہے، یہ حاکمِ وقت کو دے دینا، یہ میری انگوٹھی دکھا دینا۔ چنانچہ جو گورنر تھا اس کو جب پتہ چلا تو اس نے کہا کہ یہ انگوٹھی تو علی کی ہے۔ اب اس نے اپنے ابو مامون کے لیے خط لکھا تھا، جب پتہ چلا تو اس نے بڑے شاہانہ انداز سے بصرہ سے اس کی میت کو وہاں پہنچا دیا۔ مامون نے دیکھا، غسل دیا، کفن دیا، جنازہ پڑھا۔ خط کھول کر پڑھا تو خط کے اوپر لکھا ہوا تھا ''سورۃ فجر کی چودہ آیات پڑھ کر عبرت پکڑی جائے'' کہ سورۃ الفجر کی چودہ آیات پڑھ کر عبرت پکڑیں اور ان چودہ آیات میں کون سی آیت تھی؟

﴿اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾

''تیرا رب تیری گھات میں لگا ہوا ہے''

وہ تجھے دیکھ رہا ہے کہ تو کیا کر رہا ہے؟ یہ آیت دل میں اتر گئی۔ اس کے ڈر کی وجہ سے اس نے ساری زیب و زینت کو چھوڑ دیا۔ جب دفن کیا گیا تو محمد بن سعد ترمذی نے سورۃ فجر کی چودہ آیات پڑھیں۔ مامون نے بھی معافی مانگی اور بقیہ زندگی اس نے گناہوں سے بچ کر گزارنے کا ارادہ کیا۔

جنتیوں میں شامل ہونا مشکل نہیں:

تو بھئی آج کے دور میں ہم یہ تو نہیں کہتے کہ تم گھروں کو چھوڑ دو صرف اتنا کہتے ہیں کہ انہیں نعمتوں میں رہتے ہوئے گناہوں کو کرنا چھوڑ دو اور کچھ نہیں مانگتے۔ وہ کام کہہ رہے ہیں جو ہو سکتا ہے، جو شریعت میں جائز لذتیں ہیں وہ ضرور حاصل کیجیے، جو ناجائز ہیں ان سے اپنے آپ کو بچا لیجیے۔ جائز بہت زیادہ ہیں، حرام بہت تھوڑی ہیں۔ آپ دیکھیں جائز مشروبات سینکڑوں حرام مشروبات دو چار۔ جائز گوشت بے شمار، ہزاروں جانور پرندے، حرام گوشت چند جاندار۔ تو جائز لذتوں کو حاصل کر کے ناجائز کو اللہ کے لیے چھوڑ دیں، انہیں نعمتوں میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ جنتیوں میں شامل فرما دیں گے، مشکل نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن کی امید رکھیں، وہ پروردگار گناہوں کو معاف کر دے گا۔ الٰہی! اے اللہ! میرے حسنِ ظن کو پورا فرما۔ ؎

اِلٰهِیْ اَنْتَ ذُوْ فَضْلٍ وَ مَنٍّ
وَ اِنِّیْ ذُوْ خَطَایَ فَاعْفُ عَنِّیْ
وَ ظَنِّیْ فِیْكَ یَا رَبِّیْ جَمِیْلٌ
فَحَقِّقْ یَا اِلٰهِی حُسْنَ ظَنِّیْ

بیس سال بعد واپسی:

ایک اور روایت کی گئی کہ

اِنَّ فِیْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ شَابٌ عَبَدَ اللّٰہَ بِعِشْرِیْنَ سَنَۃً ثُمَّ عَصَاہُ عِشْرِیْنَ سَنَۃً

''بنی اسرائیل میں ایک نوجوان تھا، بیس سال اس نے اللہ کی عبادت کی پھر بیس سال نافرمانی میں گزرے۔''

کسی مصیبت میں الجھ گیا، کسی عورت کے چکر میں پھنس گیا، بیس سال اسی غفلت میں گزار دیے۔

ثُمَّ نَظَرَ فِیْ الْمِرْاٰۃِ فَوَجَدَ الشِّیْبَ فِیْ لِحْیَتِہٖ فَسَآئَہٗ ذَالِکَ

''پھر آئینہ دیکھا تو اس کو اپنی داڑھی کے اندر سفیدی نظر آ گئی۔''

اس کو یہ بات بری لگی اچھی نہ لگی کہ میں اس حال میں بوڑھا ہو گیا۔

فَقَالَ اِلٰھِیْ اَطَعْتُکَ عِشْرِیْنَ سَنَۃً ثُمَّ عَصَیْتُکَ عِشْرِیْنَ سَنَۃً فَاِنْ رَجَعْتُ اِلَیْکَ اَتَقْبَلُنِیْ

''کہنے لگا کہ اے میرے پروردگار! میں نے بیس سال آپ کی فرمانبرداری کی پھر بیس سال نافرمانی کی، اب میں اگر آپ کی طرف لوٹوں تو کیا آپ مجھے قبول کر لیں گے۔''

فَسَمِعَ قَائِلًا یَقُوْلُ وَ لَا یَرٰی شَخْصًا

''اس نے پھر کہنے والے ایک شخص کی (غائب سے) آواز سنی فرمایا گیا۔''

اَحْبَبْتَنَا فَاَحْبَبْنَاکَ فَتَرَکْتَنَا فَتَرَکْنَاکَ وَعَصَیْتَنَا فَاَمْھَلْنَاکَ وَ اِنْ رَجَعْتَ اِلَیْنَا قَبِلْنَاکَ

''میرے بندے تو نے ہم سے محبت کی ہم نے تم سے محبت کی، تو نے ہمیں چھوڑا ہم نے تجھے چھوڑ دیا، تو نے ہماری نافرمانی کی ہم نے تجھے مہلت دے دی، اب بھی اگر تو لوٹ کے آئے گا میں تجھے قبول فرمالوں گا۔''

اللہ اکبر!

امید کا چراغ جلتا رہے:

چنانچہ ایک حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

((یَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَیْحَ ابْنُ اٰدَمَ یُذْنِبُ الذَّنْبَ ثُمَّ یَسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرُلَهٗ ثُمَّ یُذْنِبُ الذَّنْبَ فَیَسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرُلَهٗ))

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''اے آدم کے بیٹے کیا عجیب بات ہے؟ کہ ایک گناہ کر کے استغفار کرتا ہے میں معاف کر دیتا ہوں پھر گناہ کرتا ہے پھر استغفار کرتا ہے پھر میں معاف کر دیتا ہوں۔''

((لَاهُوَ یَتْرُكُ الذَّنْبَ مِنْ مَخَافَتِیْ وَ لَا یَیْئَسُ مِنْ مَّغْفِرَتِیْ اُشْهِدُكُمْ یَا مَلَائِكَتِیْ اَنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَهٗ))

''نہ تو وہ میرے خوف سے گناہ چھوڑتا ہے اور نہ میری مغفرت سے یہ مایوس ہوتا ہے۔ اے میرے فرشتو! تم گواہ رہنا، میں نے اس کے سب گناہوں کو معاف فرما دیا۔''

اللہ کی رحمت اتنی وسیع:

چنانچہ حدیث پاک میں آتا کہ ایک نوجوان نبی علیہ السلام کی خدمت میں آیا۔

جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہتے ہیں کہ اس نے آ کر کہا:

((وَا ذُنُوْبَاهُ وَا ذُنُوْبَاهُ وَا ذُنُوْبَاهُ فَقَالَ هٰذَاالْقَوْلُ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلٰثَةً))

''ہائے میرے گناہ ہائے میرے گناہ ہم دو یا تین دفعہ ایسے کہا:''

((فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قُلِ اللّٰهُمَّ))

نبی ﷺ نے اسے فرمایا: اے نوجوان! تو کہہ: اے اللہ!

((اَللّٰهُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِىْ وَ رَحْمَتُكَ اَرْجٰى عِنْدِىْ مِنْ عَمَلِىْ))

''اے اللہ! تیری مغفرت میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے اور تیری رحمت سے مجھے زیادہ امید ہے بہ نسبت اپنے اعمال کے''

فَقَالَهَا ''نوجوان نے یہ کہہ دیا۔''

((ثُمَّ قَالَ عُدْ فَعَادَ ثُمَّ قَالَ عُدْ فَعَادَ))

نبی علیہ السلام نے فرمایا: پھر کہہ دے! تو پھر یہی الفاظ کہے، تیسری مرتبہ پھر کہا، اس نے پھر وہی الفاظ دہرائے۔

تب نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((قُمْ فَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ))

کھڑے ہو جا! اللہ نے تیرے گناہوں کو معاف فرما دیا۔

نبی ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے یہ گواہی مل رہی کہ اگر تین مرتبہ ان الفاظ کو کہہ دے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ تو بھئی ہم بھی اس مجلس میں تین مرتبہ اس دعا کو کہہ دیں۔

اَللّٰهُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِىْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰى عِنْدِىْ مِنْ عَمَلِىْ

اَللّٰھُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجیٰ عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ

اَللّٰھُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجیٰ عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ

اور اس کو یاد بھی کر لیں اور اپنی دعاؤں میں بھی مانگیں۔ اور واقعی ہمارے لیے تو یہ سو فیصد فٹ دعا ہے کہ ہمارے پاس تو نیک عمل ہیں نہیں جس کو اپنے فانی کا پتہ ہو تو وہ تو دل سے کہتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجیٰ عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ

اللہ کی رحمت پر توکل:

اب ایک بات سن لیجیے مگر دل کے کانوں کے ساتھ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے ہم کلامی کرتے ہوئے کہا:

((قَالَ سَیِّدُنَا مُوْسٰی یَا رَبِّیْ اِذَا سَئَلَكَ سَائِلٌ مَاذَا تَقُوْلُ لَهٗ))

اے اللہ! جب فرمانبردار بندہ تجھے پکارتا ہے تو آپ جواب میں کیا کہتے ہیں؟

((قَالَ اَقُوْلُ لَبَّیْكَ))

اللہ فرماتے ہیں کہ میں جواب میں فرماتا ہوں لبیک میں حاضر ہوں۔

فَقَالَ فَزَاهِدٌ پوچھا: اگر دنیا سے زاہد بندہ وہ آپ سے مانگے؟

قَالَ اَقُوْلُ لَبَّیْكَ فرمایا: میں کہتا ہوں لبیک۔

قَالَ اَلصَّائِمُ اگر روزہ دار مانگے تو پھر کیا کہتے ہیں؟

قَالَ اَقُوْلُ لَبَّیْكَ میں کہتا ہوں لبیک۔

قَالَ فَالْعَاصِیْ

موسیٰ نے نقطے کی بات پوچھی اے اللہ! اگر گناہ گار آپ سے معافی مانگے تو پھر کیا

کہتے ہیں۔

قَالَ اَقُوْلُ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں کہتا ہوں کہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، حاضر ہوں۔

کہ میں اپنے گناہگار بندے کو تین مرتبہ کہتا ہوں لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ

اور پھر اس کے بعد اس کی وجہ بتائی کہ وجہ کیا ہے؟ عجیب! فرمایا کہ تم نے جن نیک بندوں کے تذکرے کیے۔

كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهَا هٰؤُلَآءِ يَتَوَكَّلُ عَلٰى عَمَلِهٖ وَالْعَاصِىْ يَتَوَكَّلُ عَلٰى رَحْمَتِىْ

''جتنے بندوں کا تذکرہ کیا ان کو اپنے عملوں پر ناز تھا، بھروسہ تھا اور جو گناہ گار ہوتا ہے، جب وہ پکارتا ہے تو اس کو میری رحمت پہ بھروسہ ہوتا ہے۔''

وَاَنَا لَا اُخَيِّبُ عَبْدًا اِتَّكَلَ عَلَىَّ لِاَنِّىْ قُلْتُ

اور میں اس بندے کو ناکام نہیں کرتا جو میری رحمت پر بھروسہ کرے۔ اس لیے کہ میں نے یہ قول دے دیا۔

وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

''جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہو جاتے ہیں۔''

تو اعمال تو نیک ہیں نہیں اللہ کی رحمت پر توکل کر کے ہم بھی آج اللہ سے مانگیں۔ کیا بعید ہے کہ اللہ جواب میں فرمائیں لبیك لبیك یا عبدی میرے بندے میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں

مناجات:

اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے، ہم گناہوں سے اپنی جان چھڑا کر نیکیوں والی

ایک نئی زندگی گزارنے کا ارادہ کرلیں، کسی نے کیا اچھی بات کہی؟

یَا رَبِّ اِنْ عَزُمَتْ ذُنُوْبِیْ کَثِیْرَۃً

''اے اللہ اگر میرے گناہ بہت زیادہ ہوگئے''

فَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ عَفْوَكَ اَعْظَمُ

''اور میں تو جانتا ہوں نا کہ تیری درگزر اور تیری معافی میرے گناہوں سے زیادہ بڑی''

اِنْ کَانَ لَایَرْجُوْكَ اِلَّا مُحْسِنٌ

''اے اللہ اگر تجھ سے کوئی امید نہیں رکھ سکتا سوائے نیک بندے کے''

فَمَنِ الَّذِیْ یَرْجُوْ وَ یَدْعُوْ الْمُجْرِمُ

''اے اللہ پھر کون ہے جس کو پکارے اور جس سے امید رکھے وہ جو مجرم ہے اگر نیک ہی آپ سے مانگ سکتے ہیں تو اللہ مجرم کہاں جائیں گے''

مَا لِیْ اِلَیْكَ وَسِیْلَةٌ اِلَّا الرَّجَاءُ

''اے اللہ! میرا تو امید کے سوا کوئی وسیلہ ہی نہیں بس رحمت کی امید ہے کہ میں بس آپ سے رحمت کی امید رکھتا ہوں۔''

وَ جَمِیْلُ عَفْوِكَ وَ اَنِّیْ مُظْلِمٌ"

''اللہ تیری معافی بڑی جمیل ہے۔''

اور دوسرا یہ کہ میں نے کلمہ پڑھا ہے، اللہ اس کلمے کی ہی لاج رکھ لے۔ تو آج اس محفل میں اپنے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے...... آئندہ سچی توبہ کر کے دل کے اندر ارادہ کرتے ہوئے...... یہ عہد کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں گناہوں سے بچا لیجیے! ہماری جان چھڑا لیجیے۔ میرے مولیٰ! آپ سے دوری اور بعد کی زندگی ہم

کب تک گزارتے رہیں گے، آپ کے نافرمانوں کی فہرست میں ہم کب تک شامل رہیں گے، میرے مولیٰ! نیکوں کی صورت اپنا کر ہم کب تک برائیوں کے مرتکب ہوتے رہیں گے، اس سے پہلے کہ موت کا ڈنکا بجے، اللہ ہمیں توبہ کی توفیق عطا فرما دے۔ آج کی اس محفل میں اللہ! ہم آپ سے صلح کرنا چاہتے ہیں۔ جب ہم نے سن لیا کہ گناہ گار کے کہنے پر آپ تین مرتبہ لبیک فرماتے ہیں تو میرے مولیٰ! آج ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجیے۔ نفس اور شیطان کے ہتھکنڈوں سے ہمیں بچا لیجیے، اور اے اللہ! اپنے فرمانبردار بندوں کی فہرست میں ہمیں بھی شامل فرما دیجیے۔ اور ایک نئی ایمانی اسلامی اور قرآنی زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرما دیجیے۔

❁......❁......❁

﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

(زمر:۹)

علمائے کرام کیلیے دلپذیر ہدایات

بیان: محبوب العلما والصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 17 جولائی 2010ء بروز ہفتہ ۴ شعبان، ۱۴۳۱ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: خصوصی تربیتی مجالس برائے علما وطلباء (دوسری مجلس)

اقتباس

لیکن یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ علم ہو اور عمل نہ ہو تو اللہ نے فرمایا: ﴿ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ﴾

''وہ گدھے کی مانند ہیں جن کے اوپر بوجھ لادا ہوا ہے۔''

عمل ضروری ہے۔ اسی عمل کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے یہ مجالس کی جاتی ہیں ورنہ علم تو آپ حضرات کے پاس پہلے ہی بہت زیادہ ہے۔ وہ جذبہ کیسے پیدا ہو؟ وہ آگ کیسے لگے؟ ان مجالس سے وہ تیلی لگتی ہے، آگ لگ جاتی ہے، اندر بیقراری رہتی ہے۔ علم وہ نور ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد اس پر عمل کیے بغیر چین نہیں آتا۔ علم انسان کو بیقرار رکھتا ہے جب تک کہ انسان اس پر عمل نہ کرلے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں علمائے یہود کے بارے میں فرمایا:

﴿ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اگر وہ جانتے''

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

علمائے کرام کے لیے دلپذیر ہدایات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْد:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ ﴾ (زمر:۹)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّم

قرآن پاک میں علم کی اہمیت:

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (زمر:۹)

''اے میرے محبوب ﷺ آپ فرما دیجیے کہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں''

اس آیتِ مبارکہ میں تین الفاظ قابلِ غور ہیں۔

پہلا لفظ ہے قُلْ۔ عام طور پر یہ دستور ہوتا ہے کہ جب حکومت کی طرف سے کوئی اعلان ہوتا ہے تو اس کا ایک خاص انداز ہوتا ہے۔ حاکمِ شہر کی طرف سے کوئی اعلان ہو تو ایک آدمی باقاعدہ اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ یہ حاکمِ شہر کی طرف سے اعلان ہے۔

''باادب باملاحظہ ہوشیار'' اس طرح کے الفاظ ادا کیے جاتے ہیں، تو شاہی اعلان کا ایک طریقہ کار ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں جب اللہ رب العزت کسی خاص بات کا اعلان کروانا چاہتے ہیں تو اپنے حبیب ﷺ کو حکم فرماتے ہیں کہ '' قُلْ '' فرما دیجیے! تو محبوب ﷺ کا یہ الفاظ ادا کرنا اس کی چیز کی اہمیت کی پکی دلیل ہوتا ہے کہ یہ شاہی فرمان ہے۔ یہ حاکمِ اعلیٰ کا حکم ہے، اس بات کو توجہ سے سننا۔ تو '' قُلْ '' کا لفظ متوجہ کرتا ہے۔

دوسرا لفظ ہے '' هَلْ ''۔ یہ استفہام کے لیے ہوتا ہے۔ علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ استفہامِ انکاری بعض اوقات زجر اور توبیخ کے لیے ہوتا ہے، ڈانٹ ڈپٹ کے لیے۔ گویا جو عالم اور جاہل کو برابر سمجھے گا اس کے اوپر ناراضگی کا اظہار کیا جارہا ہے کہ تمہیں سمجھ نہیں لگ رہی کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہوتے۔

پھر آگے تیسرا لفظ ہے يَعْلَمُوْنَ (علم والے)۔ مگر یہاں اس کا مفہوم ذکر نہیں کیا گیا کہ کون سے علم والے۔ وہ اس لیے ذکر نہیں کیا کہ کوئی آدمی ٹوپی کا تذکرہ کرتا ہے تو صاف ظاہر ہے وہ سر کے پہننے کی چیز ہے اور کوئی جوتے کا تذکرہ کرتا ہے تو وہ پاؤں کے پہننے کی چیز ہے۔ تو ٹوپی اور جوتے کے الفاظ ہی بتاتے ہیں کہ استعمال کیا ہے؟ اسی طرح علم کا لفظ ہی بتا رہا ہے کہ اس سے مراد علمِ دین ہے۔ یہ واضح بات ہے جو دنیا کا علم ہے اللہ رب العزت کے نزدیک اس کو علم ہی نہیں کہا گیا فرمایا:

﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ (روم:۷)

''لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، جانتے ہیں مگر فقط دنیا کی ظاہری زندگی کو''

تو یہاں علم سے مراد علمِ دین ہے، یعنی جس کو اللہ رب العزت علمِ دین عطا

فرمائیں گے وہ عالم اور ایک عام جاہل یہ برابر نہیں ہو سکتے۔ جیسے اندھیرا اور روشنی برابر نہیں ہو سکتے۔ تو ''العلم نور'' علم روشنی ہے اور جہالت اندھیرا ہے تو یہ ایک دوسرے کے کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ علمِ دین کی اہمیت پر یہ آیت مبارکہ ایک پکی دلیل ہے۔

احادیث میں طلبِ علم کی اہمیت:

◎ اور حدیث مبارکہ میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَهٗ))

''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے''

اس آیت مبارکہ میں سیکھنے کو مقدم کیا گیا سکھانے کے اوپر، سیکھنے کا تذکرہ پہلے سکھانے کا بعد میں۔ اس کی وجوہات ہیں۔

ایک تو یہ کہ ترتیب ہی یہی ہوتی ہے کہ چیز پہلے سیکھی جاتی ہے اور بعد میں سکھائی جاتی ہے، لہٰذا ترتیب کی وجہ سے ایسا کیا گیا۔

اور دوسر علمی نکتہ اس میں یہ ہے کہ'' خَيْرُكُمْ'' لہٰذا خیریت کے اندر متعلم معلم سے بڑھا ہوتا ہے۔ آپ دیکھیں کہ معلم کو پڑھانے کے اوپر تنخواہ ملتی ہے، سہولت ملتی ہے، کچھ نہ کچھ عوض ملتا ہے اور طالب علم کو پڑھنے پر کیا ملتا ہے؟ طالب علم تو مجاہدے کرتا ہے تکلیفیں اٹھاتا ہے۔

اور تیسری بات کہ پڑھانے والے کو سفر نہیں کرنا پڑتا، پڑھنے والے کو سفر کرنا پڑتا ہے، کبھی اس استاد کے پاس کبھی اس استاد کے پاس۔ کبھی اس جامعہ میں جاؤ، کبھی اُس جامعہ میں جاؤ۔ استاد تو وہاں موجود ہوتے ہیں کیونکہ سفر کی تکالیف طالب علم کے ساتھ زیادہ ہیں اس لیے اللہ کی نظر میں وہ خیر میں بڑھا ہوتا ہے۔ اس لیے اس

کا تذکرہ پہلے کیا گیا۔

◉ تو علم اللہ رب العزت کے ہاں بڑا مقام رکھتا ہے مگر اس علم کو ساری زندگی حاصل کرنا پڑتا ہے، نبی علیہ السلام نے بتا دیا:

((اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ))

''کہ تم پنگھوڑے سے لے کر قبر میں جانے تک علم حاصل کرتے رہو''

یعنی ساری زندگی اپنے آپ کو طالب علم بنا کے رکھو۔

◉ ایسا وقت نہیں آتا کہ ایک بندہ کہے کہ جی میں نے علم میں کمال حاصل کر لیا۔ نہیں! جب اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو فرمایا:

﴿قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾

''آپ فرما دیجیے کہ اے اللہ! مجھے علم میں اور بڑھا دیجیے۔''

زیادہ علم عطا فرمائیے۔ تو معلوم ہوا کہ علم کی کوئی انتہا نہیں، ساری زندگی انسان علم میں بڑھتا رہتا ہے، یہ زیادتِ علم ہر طالب علم کا شوق ہونا چاہیے کہ میرا یہ علم بڑھتا رہے۔

◉ اور اس کی تفصیل حدیث پاک میں ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ))

''دو بھوکے ایسے ہیں کہ ان کا پیٹ نہیں بھرتا''

ایک طالب علم (علم کا طلب کرنے والا) اور دوسرا طالب الدنیا اور (دنیا کا طلب کرنے والا) دونوں کے پیٹ نہیں بھرتے، دنیا کا جتنا مال کسی کے پاس آئے اس کو اور کی تمنا رہتی ہے اور یہی حال علم کا کہ جتنا بھی انسان سیکھ لے اور کی تمنا۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی علمی حرص:

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مرضِ وفات میں جبکہ ڈاکٹروں نے ان کو اٹھ کر بیٹھنے سے بھی منع کر دیا تھا، اس وقت میں تکلیف کے باوجود دِیے کی روشنی میں حدیث پاک کی کتاب کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ تو ان کے شاگرد کہنے لگے کہ حضرت اس تکلیف کے عالم میں جبکہ ڈاکٹروں نے منع بھی کر دیا کون سا ایسا درس ہے جو دینا ہے اور جس کی تیاری ہو رہی ہے، جس کے لیے مطالعہ ہو رہا ہے؟ اور کون سا ایسا نکتہ ہے جو پک نہیں رہا؟ ہم شاگرد کس لیے ہیں؟ آپ ہمیں حکم دیجیے، فرمائیے کہ ہم اس چیز کو پڑھ کر آپ کی خدمت میں عرض کر دیں گے۔ جب انہوں نے یہ بات کہی تو حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ شبیر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو جواب میں فرمایا کہ کوئی نکتہ تو خاص ایسا نہیں کہ جس کو میں ڈھونڈ رہا ہوں مگر یہ بتاؤں کہ اس علم کی پیاس کا کیا کروں جو بجھنے والی ہی نہیں۔ تو علم ایسی پیاس ہے جو ساری زندگی نہیں بجھتی، جس کو چسکا پڑ جائے جس کو لذت مل جائے، اس کی زندگی گزر جاتی ہے۔

عام طور پر تو حرص منع ہے مگر وہ منع ہے اپنے مقصود کی وجہ سے۔ اگر دنیا مقصود ہے تو حرص منع اور اگر علم مقصود ہے تو اب حرص جائز ہوگئی، کیونکہ مقصود اچھا ہے، تو دو حریص ایسے ہیں ان کا دل نہیں بھرتا، ان میں ایک علم کا حریص اس میں اللہ تعالیٰ بندے کے تنافس کو دیکھتے ہیں۔

﴿ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴾ (المطففین:۲۶)

علم بڑھانے کے دو راستے:

اب ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب علم بڑھنے کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے

ہیں تو یہ علم بڑھتا کیسے ہے؟ علم دو طرح سے بڑھتا ہے۔

(۱)......ایک کثرت مطالعہ سے جتنا مطالعہ کی کثرت ہوگی اتنا علم بڑھے گا۔

(۲)......اور دوسرا بڑھتا ہے کثرتِ عمل صالح کی وجہ سے۔

کثرتِ مطالعہ سے اور نیکی زیادہ کرنے کی وجہ سے علم بڑھتا ہے مگر ان دونوں میں ایک فرق ہے۔ جو کثرتِ مطالعہ کی وجہ سے علم بڑھتا ہے، اس میں تبحر زیادہ ہوتا ہے۔ تبحر کا لفظ بحر سے ہے۔ سمندر کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ سمندر کی چوڑائی تو ہزاروں کلومیٹر کے حساب سے اور گہرائی دس کلومیٹر کے حساب سے، تو چوڑائی زیادہ ہوتی ہے اور گہرائی تھوڑی ہوتی ہے۔ اس لیے جو علم کثرتِ مطالعہ سے حاصل کیا جاتا ہے اس کا پھیلاؤ زیادہ ہوتا ہے، عمق تھوڑا ہوتا ہے۔

اور ایک علم کثرتِ اعمالِ صالحہ کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس علم میں گہرائی زیادہ ہوتی ہے، اس کو تفقہ کہتے ہیں تو تفقہ کے اندر گہرائی زیادہ ہوتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم میں پھیلاؤ نہیں تھا۔

﴿ فَاتَّخِذُوا الْعِلْمَ ﴾

''وہ علم میں گہرائی رکھنے والے تھے''

تو علم ملنے کے دو راستے، ایک راستہ کثرتِ مطالعہ سے مگر اس سے تبحرِ علمی بڑھتی ہے، ہر چیز کا پتہ ہوتا ہے۔ اور ایک عملِ صالحہ کی وجہ سے ملتا ہے، اس میں گہرائی زیادہ ہوتی ہے، تو ایسے بندے کو منشائے خداوندی کا پتہ ہوتا ہے کہ میرا رب مجھ سے کیا چاہتا ہے؟

تفقہ فی الدین کیسے ملتا ہے؟

کسی نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال پوچھا کہ حضرت! ایک عالم جب کوئی

معرفت کی بات کرتا ہے تو کبھی ٹھیک ہوتی ہے کبھی ٹھیک نہیں ہوتی، حاجی صاحب جتنی باتیں کرتے ہیں پکی کرتے ہیں۔ تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دیکھو! ہمارے ذہنوں میں مبادیات پہلے آتی ہیں اور ان سے ہم نتائج نکالتے ہیں، کبھی نتیجہ بالکل ٹھیک کبھی ٹھیک کے قریب۔ حاجی صاحب کے دل میں نتائج پہلے وارد ہوتے ہیں لہٰذا نتائج کے دلائل کا ڈھونڈنا وہ مشکل نہیں ہوتا، اس لیے ان کی بات پکی ہوتی ہے۔

اس کو کہتے ہیں ''تفقہ فی الدین'' اس لیے فقہائے کرام وہ ہستیاں تھی جو مزاج شریعت کو جانتی تھیں، ان کی طبیعتیں اللہ نے ایسی بنائی تھیں کہ وہ مزاج شریعت سے واقف تھیں۔ لہٰذا ان کے لیے احادیث سے مسائل کا جواب استنباط کرنا بہت آسان ہوتا تھا، یہ ہر بندہ نہیں کرسکتا۔ تو ایک میں علم کی وسعت زیادہ ہوتی ہے اور دوسرے میں گہرائی زیادہ ہوتی ہے۔ اگر دونوں ساتھ ساتھ ہوں کہ وسعتِ مطالعہ بھی ہو اور ساتھ کثرتِ عمل صالحہ بھی ہوں تو پھر اللہ رب العزت دونوں نعمتیں عطا فرما دیتے ہیں۔

حسنِ طلب:

لیکن یہ دونوں نعمتیں حسنِ طلب سے بڑھتی ہیں۔ جتنی طلب ہوگی اتنا علم زیادہ بڑھے گا، آپ نے اسفنج کو دیکھا؟ اس کو پانی میں ڈالیں تو یہ پانی کو چوس لیتا ہے، اس کی نس نس میں پانی سما جاتا ہے۔ تو طالبِ علم کو اسفنج کی طرح ہونا چاہیے کہ وہ اپنے اساتذہ سے اور اپنے بزرگوں سے سارے علم کو چوس لے۔ جس بندے کو پیاس جتنی زیادہ ہوگی، اس کو پانی کی تلاش اتنی زیادہ ہوگی۔ دستور کی بات ہے نا، علم کی پیاس جتنی زیادہ تو علم کی طلب بھی اتنی زیادہ ہوتی ہے۔ تو طالب علم وہی ہوگا جو وقت ضائع نہیں کرے گا۔ وہ اِدھر اُدھر غیر ضروری کاموں میں نہیں الجھے گا، علم پر توجہ مرکوز رکھے

گا۔علم جز وقتی کام نہیں ہے کل وقتی کام ہے۔امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

اَلْعِلْمُ لَا یُعْطِیْكَ بَعْضَهٗ حَتّٰی تُعْطِیَهٗ كُلَّكَ

''علم تجھے اپنا بعض حصہ اس وقت تک نہیں دے گا جب تک تو اپنا کل حصہ اس کی طرف متوجہ نہیں کر دے گا۔''

علم کی لگن اور مگن:

اس لیے علم حاصل کرنے کی دھن لگی ہوئی ہو، ایک لگن ہو اور پھر انسان اس کام میں مگن ہو۔تو یہ دو چیزیں مل جائیں لگن اور مگن تو علم حاصل ہو جاتا ہے۔

مگن کا حال دیکھو! امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا بیٹا فوت ہو گیا تو بیٹے کو نہلا دیا، جنازے میں ذرا دیر تھی تو اپنے بھائیوں اور دوستوں کو، سب کو کہہ دیا کہ جی میرے بیٹے کا جنازہ پڑھ لیں۔کیونکہ یہ وقت ہے جب میں امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مجلسِ علمی میں جاتا ہوں، میں اس وقت کو قضا نہیں کرنا چاہتا۔ان کے رشتہ داروں نے جنازہ پڑھا، ان کی آنکھوں میں آنسو تھے مگر علمی مجلس میں آئے اور امام صاحب کی مجلس کو قضا نہ ہونے دیا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد تھے، اندلس کے رہنے والے تھے۔نام یحیٰ بن یحیٰ اندلسی تھا۔اللہ کی شان کہ کوئی آدمی مدینہ میں ایک ہاتھی لے آیا، کیونکہ اس علاقے میں ہاتھی نہیں ہوتا تھا تو لوگوں کے لیے یہ نئی چیز تھی لوگ اس کو دیکھنے کے لیے نکل آئے۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے سارے شاگرد نکلے، یحیٰ مسجد میں ہی رہے۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یحیٰ تم ہاتھی دیکھنے نہیں گئے؟ اس نے کہا کہ حضرت! میں یہاں ہاتھی دیکھنے نہیں آیا، میں یہاں آپ سے علم حاصل کرنے آیا ہوں۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اتنے خوش ہوئے کہ ان کا نام عاقل اندلسی رکھ دیا۔تو جب طلب ایسی ہو تو پھر زیادتِ علم بھی

نصیب ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ رب العزت علم بھی عطا فرما دیتے ہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس سے کتنا علم حاصل کیا؟ ایک کتاب انہوں نے لکھی، سیرِ کبیر اس کتاب کو ایک فرنگی نے پڑھا تو پڑھنے کے بعد کہنے لگا کہ

((هٰذا مُحَمَّدُ كُمُ الصَّغِيرُ فَكَيْفَ يَكُوْنُ مُحَمَّدُ كُمُ الْكَبِيْرُ))

''چھوٹے محمد کا یہ حال ہے تو ان کے بڑے محمد کا کیا حال ہوگا''

محنت شرط ہے:

اللہ تعالیٰ پھر بندے کو ایسا علم عطا فرما دیتے ہیں۔ محنت تو کرنی پڑتی ہے۔

بِقَدْرِ الْكَدِّ تُكْتَسَبُ الْمَعَالِيُ
وَ مَنْ طَلَبَ الْعُلٰى سَهِرَ اللَّيَالِيُ
تَرُوْمُ الْعِزَّ ثُمَّ تَنَامُ لَيْلًا
يَغُوْصُ الْبَحْرَ مَنْ طَلَبَ اللَّآلِيُ

''تو ارادہ کرتا ہے بلندی پانے کا اور ساری رات سویا رہتا ہے، جو موتیوں کو ڈھونڈنے والا ہوتا ہے اسے سمندر میں غوطہ لگانا پڑتا ہے۔''

تو محنت سے اللہ رب العزت یہ نعمت عطا فرما دیتے ہیں۔ یہاں ایک نکتے کی بات ہے کہ علم غنی کی صفت ہے۔ اس کے اپنے اندر بھی غنا ہے لہٰذا جو علم کو حاصل کرنا چاہے اسے جھکنا پڑے گا، اسے طلب ظاہر کرنی پڑے گی یہ نہیں ہوسکتا کہ

﴿اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ﴾

''کیا ہم تمہارے اوپر لازم کر دیں جبکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو''

ہم ہدایت تمہارے ساتھ چپکا دیں، تمہارے دل کو علم سے بھر دیں اور تمہیں اس کی پرواہی نہ ہو، یہ نہیں ہوسکتا۔ اس لیے علم کیلیے جوتیاں سیدھی کرنی پڑتی ہیں۔

توفیقِ علم کے لیے دو چیزیں

تاہم دو باتیں اہم ہیں، ان کا خیال رکھا جائے تو علم میں بہت جلدی اضافہ ہوتا ہے۔

﴿۱﴾ ادب

ایک کو کہتے ہیں ادب۔ یہ جو ادب ہے اور نیاز مندی، اس سے توفیق مل جاتی ہے۔تو جو بندہ چاہے کہ مجھے کثرت مطالعہ کی اور عمل کی توفیق ملے، تو وہ نیاز مندی کو اپنائے۔اس پر اللہ رب العزت اس کو عمل کی توفیق دے دیتے ہیں۔

حضرت مفتی کفایت اللہ درس دے رہے تھے تو انہوں نے طلبا سے سوال پوچھا کہ یہ بتاؤ! حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ علامہ کشمیری کیسے بنے؟ تو جن طلبا کو تفسیر کے ساتھ ذوق تھا انہوں نے کہا کہ جی بڑے اچھے مفسر تھے۔جن کو حدیث پاک کے ساتھ ذوق تھا انہوں نے کہا کہ جی بڑے اچھے محدث تھے، اور جن کو شاعری کے ساتھ دلچسپی تھی انہوں نے کہا کہ جی ان کا کلام بڑا اعلیٰ ہے، عربی میں اشعار بھی لکھے ہیں۔تو اس پر حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی نے یہ سوال خود علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت! آپ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کیسے بنے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں ادب کی وجہ سے بنا۔میں اساتذہ کا بھی ادب کرتا تھا، کتب کا بھی ادب کرتا تھا۔پوچھا کہ کیسے؟ فرمانے لگے کہ میں نے کبھی بے وضو علمی کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ میں اتنا ادب کرتا تھا کہ بخاری شریف کا جب مطالعہ کرتا تھا اور کرتے کرتے جب حاشیہ دیکھنا ہوتا تو کتاب کو اپنے تابع نہیں کرتا تھا، خود کتاب کے تابع ہوتا تھا، اٹھ کر دوسری طرف آ کر پھر حاشیہ پڑھتا تھا۔اور میں نے کبھی قرآن مجید کے اوپر حدیث کی

کتاب نہیں رکھی، حدیث کے اوپر فقہ کی کتاب نہیں رکھی اور فقہ کے اوپر تاریخ کی کتاب نہیں رکھی۔ میں کتابوں کے رکھنے میں بھی ان کے درجات کا خیال رکھتا تھا۔ جب اتنا ادب ہوگا تو یقینی بات ہے دل منور ہوگا۔

تو ادب سے توفیق ملتی ہے اور بے ادبی سے توفیق چھن جاتی ہے۔ کتنے طلبا ایسے تھے جو اساتذہ کی خدمت کرنے کی وجہ سے مقبول ہو گئے، حالانکہ ان کی علمی استعداد اتنی زیادہ نہیں تھی۔

خدمت نے بخت لگایا:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک طالب علم تھا، ملتان شجاع آباد سے ذرا آگے ایک قصبہ ہے، پونٹہ اس کا نام ہے، یہ وہاں کا تھا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے وہ بخاری شریف پڑھتا تھا۔ شیخ سے اتنی محبت تھی کہ رات کو جب لوگ سو جاتے تو وہ شیخ الحدیث صاحب کے دروازے سے لے کر دارالحدیث کے دروازے تک جو راستہ تھا اس کی صفائی کرتا تھا کہ میرے شیخ نے یہاں سے چل کر آنا ہے۔ اور کبھی محبت میں جوش بڑھتا تو اپنے عمامہ کے کپڑے سے اسکی صفائی کرتا تھا۔ اللہ کی شان! ایک دن وہ صفائی کر رہا تھا، تب تہجد کا وقت تھا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے باہر جھانکا اور دیکھ لیا۔ پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ اس کے بتانے پر اصل بات کا پتہ چلا تو استاد کے دل سے دعا نکلی۔ استاد کی دعا نے بخت لگا دیا۔ غلام رسول اس بچے کا نام تھا، اس کو اللہ رب العزت نے اتنا علم دیا کہ یہ وہاں سے لوٹ کر واپس آئے تو انہوں نے اپنے گاؤں پونٹہ کے اندر ہی ایک مدرسہ بنا دیا۔ تو اب گاؤں کے اندر سہولیات تو نہیں ہوتیں۔ وہ گاؤں تھا بھی پکی سڑک سے تیس کلو میٹر اندر، چنانچہ طلبا کو اپنے سر پر بستر اٹھا کر تیس کلومیٹر پیدل چلنا پڑتا تھا۔ آنے اور جانے کے لیے کوئی گاڑی نہیں تھی، تیس

کلومیٹر کا سفر کر کے تب گاڑی ملتی تھی۔ اس گاؤں میں بھی ان کے پاس تین سو طلبہ پڑھتے تھے۔

آج کہتے ہیں کہ جی سہولیات نہ ہوں تو طلبہ نہیں آتے۔ طلبہ سہولیات کے طالب نہیں ہوتے وہ علم کے طالب ہوتے ہیں، جہاں انہیں علم ملتا ہے وہ اس کی طلب میں پہنچ جاتے ہیں۔ مگر مولانا غلام رسول پونٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے علمی مقام کتنا دیا کہ خیر المدارس کا سالانہ جلسہ ہے، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے ملک کے نامور علما اور شیوخ الحدیث کو مدعو کیا۔ جب ملک کے اتنے بڑے بڑے علما موجود تھے، تو اس وقت حضرت جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے اعلان کیا کہ شمس النحات حضرت مولانا غلام رسول پونٹوی سٹیج کے اوپر تشریف لائیں۔ ان اکابر کی موجودگی میں شمس النحات کا لفظ کہا گیا۔ اللہ نے انہیں اتنا علم دیا تھا کہ خود بتایا کرتے تھے کہ اگر شرح جامی کو پوری دنیا سے دفن کر دیا جائے ایک بھی نسخہ باقی نہ بچے اور کوئی طالب علم میرے پاس آئے تو میں اپنے حافظے سے شرح جامی دوبارہ لکھوا سکتا ہوں۔ یہ استاد کی دعا تھی۔

چنانچہ تین نوجوان صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش پیش رہتے تھے، ایک دوسرے سے آگے بڑھتے تھے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے تہجد کے وقت میں نام لے لے کر دعا فرمایا کرتے تھے۔ دعا کیا لگی کہ اللہ رب العزت نے ان تینوں کو علم میں نمایاں مقام عطا فرمایا۔ تینوں کا نام عبداللہ، یہ عجیب عباد اللہ کہ ان میں سے ایک۔

عبداللہ بن عباس امام المفسرین بنے۔

ایک عبداللہ بن عمر امام المحدثین بنے

ایک عبداللہ بن مسعود امام الفقہاء بنے۔

نکتے کی بات:

لہٰذا نکتے کی بات ہے کہ قابل بننے کی کوشش کم کرو، مقبول بننے کی کوشش زیادہ کرو، استاد کی نظر میں مقبول ہوگئے تو اللہ تعالیٰ علم سے سینے کو بھر دیں گے۔

خرد کے پاس عقل کے سوا کچھ اور نہیں
تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

آنکھوں میں بس گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

تو کسی کی نگاہ میں رہنے کی توفیق ہو جائے، دیکھیں حالت کیا ہوتی ہے؟

اور یہ ذہن میں رکھنا کہ اس علم کے اندر ترفّع ہے، بلندی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم کے اندر مختلف اعضا بنائے لیکن ان میں علم کے اعضا کو اونچا مقام عطا کیا۔

......دماغ کہاں ہوتا ہے؟ سب سے اونچی جگہ پر۔

......آنکھیں کہاں ہوتی ہیں؟ چہرے پر۔

......کان چہرے پر۔

......زبان چہرے پر۔

یہ سب اعضائے علم ہیں۔ اب علم کے اعضا کو اللہ نے اونچا مقام دیا اور وہ اعضا ہاتھ پاؤں معدہ جو مزدور قسم کے اعضاء ہیں ان کو نیچے کا مقام دیا۔ علم کے اندر تعلّی ہے، بلندی ہے مگر حاصل کرنے کے لیے جھکنا پڑتا ہے۔ جتنا جھکے گا تواضع اختیار کرے گا اتنا علم زیادہ ملے گا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب قول ہے، فرمایا:

اَلْعِلْمُ عِزٌّ لَا ذِلَّ فِیْهِ یَحْصِلُ بِذِلٍّ لَا عِزَّ فِیْهِ

''علم میں ایسی عزت ہے کہ جس میں ذلت نہیں اور یہ حاصل ہوتا ہے پستی سے کہ جس میں عزت نہیں''

علم پست ہونے سے حاصل ہوتا ہے، اس میں کوئی عزت نہیں ہوتی، جھکنا پڑتا ہے۔

۲ تقویٰ

چنانچہ ایک تو علم بڑھتا ہے ادب سے اور دوسرا بڑھتا ہے تقویٰ سے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ یُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ﴾

''تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تمہیں علم عطا فرمائے گا، اللہ تمہیں علم پڑھائے گا''

یہ معرفت کا علم اللہ رب العزت سینوں میں اتار دیتے ہیں۔ اور یہاں فرق پڑتا ہے ہم میں اور ہمارے اکابر کی زندگی میں کہ ہماری زندگی عام لوگوں والی اور اکابر کی زندگیوں میں تقویٰ ہوتا ہے۔ تو ان کو اللہ رب العزت خاص علم عطا فرماتا ہے۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احوال میراثِ اعمال ہیں۔ عمل ہوگا تو احوال بھی ہوں گے، معارف بھی ہوں گے۔

علم دو مجاہدوں کے درمیان ہے:

چنانچہ اعمال موقوف علی العلم ہیں اور علم دو مجاہدوں کے درمیان ہے۔
تحصیلِ علم اور استعمالِ علم

آج طلبا تحصیلِ علم کی محنت تو کر لیتے ہیں، استعمالِ علم کی محنت نہیں کرتے اور یہ مجالس اس لیے ہیں کہ ہمارے دل میں استعمالِ علم کا شوق پیدا ہو جائے کہ جو اللہ نے ہمیں علم دیا ہم اس کو استعمال کرنے بھی لگ جائیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا:

((كَانُوْا يَتَعَلَّمُوْنَ الْهُدٰى كَمَا يَتَعَلَّمُوْنَ الْعِلْمَ))

''کہ جیسے وہ علم سیکھتے تھے ایسے ہدایت بھی سیکھتے تھے''

تو معلوم ہوا کہ تحصیل علم ایک محنت ہے اور استعمالِ علم الگ محنت ہے۔ یہ استعمالِ علم کیسے حاصل ہو، اس کا نام تربیت ہے اور اسی کے لیے یہ مجالس منعقد کی گئی ہیں کہ ہمارے دل میں اپنے علم پر عمل کرنے کا، اپنے علم کو استعمال کرنے کا ایک شوق، ایک محبت، ایک جذبہ اور ایک ولولہ پیدا ہو جائے۔

باطنی علوم کے حامل:

چنانچہ حضرت قاری طیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے بعض ایسے اکابر کو دیکھا کہ ظاہری علم ان کے پاس نہیں تھا اور ان سے بڑے بڑے اکابر علم سیکھا کرتے تھے۔ بڑے بڑے جبالِ علم ان سے علم سیکھا کرتے تھے۔ کسی نے کہا کہ کیسے؟ تو فرمانے لگے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم تھے، اس کا نام تھا امیر شاہ خان، یہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم تھے مگر طبیعت نیکی والی تھی، تقویٰ تھا، اس وجہ سے ان کی زبان سے معارف نکلتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کبھی عقائد کے مسئلے میں پھنس جاتے تھے کیونکہ عقائد کے معاملے میں بہت گہرائی کی ضرورت ہوتی ہے، تو فرماتے چلو امیر شاہ خان کے پاس جاتے ہیں۔ ان کے پاس آکر حضرت بات چھیڑ دیتے تھے اور ان کی زبان سے کوئی لفظ نکلتا تھا جس سے علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو

روشنی مل جاتی تھی۔

چنانچہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ خاتم العلوم والبرکتہ، ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ لوگ تو حاجی صاحب (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) سے بیعت ہوئے ان کے تقویٰ کی وجہ سے اور میں بیعت ہوا ان کے علم کی وجہ سے۔ طلبہ حیران ہوئے کہ حضرت نے کیا بات کردی؟ تو انہوں نے پوچھا کہ حضرت! وہ کیسے؟ فرمایا کہ حاجی صاحب اگرچہ کافیہ تک کتابیں پڑھے ہوئے تھے مگر استعداد ایسی تھی کہ مولوی محمد جالندھری صاحب مشکوٰۃ شریف کا درس دیتے تھے اور حضرت ان کے درس میں بیٹھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی محمد جالندھری کو مثنوی شریف میں ایک شعر کے معانی کرنے میں اختلاف رائے ہوا تو مولوی محمد صاحب نے فرمایا کہ نہیں جو میں کہہ رہا ہوں وہ ٹھیک ہے۔ حضرت حاجی صاحب کی طبیعت بحث والی نہیں تھی، خاموش ہو گئے۔ کچھ دنوں کے بعد جب انہوں نے مثنوی کا درس خود دینا شروع کیا تو اس شعر تک پہنچ کر اس کا وہی ترجمہ کیا جو حاجی صاحب کہہ رہے تھے۔ حاجی صاحب کمرے میں تھے باہر نکلے اور مولانا محمد صاحب کو مسکرا کر کہا کہ بات تو وہی کی جو میں نے کی تھی۔ پھر انہوں نے تسلیم کیا کہ آپ اس شعر کے مفہوم کو صحیح سمجھے تھے، مجھے اب سمجھ میں بات آئی۔

علما اکابرِ دیوبند کے جو شیخ ہیں، حضرت مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ، یہ مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد تھے۔ یہ استاد الکل کہلاتے ہیں (سب کے استاد)۔ یہ اپنے زمانہ طالب علمی میں ایک عام طالب علم تھے، اساتذہ سمجھتے تھے یہ بہت غبی ہے، لہٰذا صرف ونحو میں ان کا دماغ نہیں چلتا تھا تو استاد بھگا دیتے۔ آج اس کے پاس پڑھتے، تو کل کسی اور کے پاس پڑھنے جاتے۔ کوئی پڑھانے کو تیار نہیں ہوتا تھا۔ ایک ایسا

وقت آیا کہ مایوسی طاری ہونے لگی کہ مجھے کوئی استاد پڑھانے کے لیے تیار ہی نہیں ہے۔اسی غم اور مایوسی کے عالم میں یہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چلے گئے ان کو جا کر کہا کہ حضرت! میرا یہ حال ہے کہ میں پڑھنا تو چاہتا ہوں مجھے کوئی استاد پڑھانے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا۔شاہ صاحب نے فرمایا: اچھا کل میرے پاس آنا۔ شاہ صاحب نے بچے کے اندر طلب دیکھی تو رات تہجد میں دعا بھی کی اور اگلے دن ان کو صرف ونحو کا سبق پڑھایا اور ساتھ تقویٰ کی تلقین بھی فرمائی۔ اس ایک درس کے پڑھنے کے بعد فرماتے ہیں میں جہاں بھی گیا میں اپنے استاد کی آنکھ کا تارہ بن کر رہا۔ پھر اللہ نے اتنا علم دیا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے علم حاصل کیا۔

جاننے اور ماننے میں فرق:

چنانچہ جتنا طالب علم میں تقویٰ زیادہ ہوگا اتنا علم میں گہرائی، عمق زیادہ ہوگا۔ اب ہم جانتے تو ہوں عمل نہ کرتے ہوں تو ہم نے علم سے فائدہ تو نہ اٹھایا۔تو اس لیے تقویٰ اختیار کرنا انتہائی ضروری ہے۔کہنے والے نے کہا:

فَاِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِىْ فَتِلْكَ مُصِيْبَةٌ

''اگر تو نہیں جانتا تو یہ ایک مصیبت ہے''

وَاِنْ كُنْتَ تَدْرِىْ فَالْمُصِيْبَةُ اَعْظَمُ

''اگر تو جانتا ہے اور عمل نہیں کرتا تو سب سے بڑی مصیبت ہے۔''

آج ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں۔آج جس سے بات کرو! وہ کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں۔بھئی جانتے تو ہیں مگر جاننے پر عمل کتنا کرتے ہیں اور عجیب بات کہ

قیامت کے دن سوال بھی یہی ہوگا کہ تم نے اپنے علم پر عمل کتنا کیا؟ چنانچہ بہت سارے طلبا کو دیکھا بڑی تحقیق ہوتی ہے۔

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی﴾

جی ''قد'' تحقیق کا ہے اور ''افلح'' ماضی کا صیغہ، ''من'' اس میں موصولہ اور پھر تزکی فعل ماضی، اب آپس میں جوڑتے ہیں اسم موصول کو ملا کر اور نتیجہ کیا نکالتے ہیں کہ جی جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ بھئی جملہ فعلیہ کی تحقیق تو آپ نے کر لی مگر یہ سوچا کہ ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی﴾ میں، اللہ کی منشا کیا ہے؟ ہمیں حاصل کیا کرنا چاہیے؟ ادھر دھیان نہیں ہوتا۔ تو فلاح کو اللہ نے تزکیہ کے ساتھ منتھی کیا ہے، جب تک ہم اپنی تزکیہ نہیں کریں گے فلاح نہیں پائیں گے۔

علم فرقان عطا کرتا ہے:

تو علم ایک روشنی ہے جو کھرے اور کھوٹے کو جدا کر دیتی ہے۔ ایک نکتے کی بات ہے۔ جب صفات مختلط ہو جائیں، خلط ملط ہو جائیں تو علم ان کے درمیان Line of demarkation (خطِ امتیاز) کھینچ دیتا ہے۔ مثال کے طور پر: ایک ہے سخاوت اور ایک ہے اسراف۔ اب یہ مختلف صفات ہیں، پتہ نہیں چلتا کہ ہم سخاوت کر رہے ہیں یا اسراف کر رہے ہیں۔ اسراف اور سخاوت کے درمیان فیصلہ کون کرے گا؟ علم کرے گا۔ اسی طرح پتہ نہیں چلتا کہ یہ مساحمت ہے یا مداہنت ہے۔ مساحمت کہتے ہیں تسامح کو، چشم پوشی کر دینا اور مداہنت کہتے ہیں بے غیرتی کا اظہار کرنا، پروا ہی نہ کرنا۔ شجاعت اور سخاوت میں فرق کیا ہے؟ یہ فرق کون کرتا ہے؟ علم کرتا ہے۔ اس لیے علم انتہائی ضروری ہے۔

دین کا علم محفوظ ہے

مرادِ الٰہی محفوظ:

اور اللہ کی شان دیکھیں کہ دینِ اسلام میں علم محفوظ ہے۔ یہاں پر ایک نکتے کی بات سنیے کہ جب وحی اترتی تھی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر غنودگی کی سی کیفیت ہوتی تھی۔ گویا ظاہری اعضا کو معطل کر دیا جاتا تھا تو ظاہری اعضا کو معطل کرنے کی وجہ کیا تھی؟ کہ مرادِ حق اور فیض مرادِ حق کے اندر اختلاط نہ ہو پائے۔ چنانچہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے کہا کہ جی بعض لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نیند میں کرتے ہیں اور بعض لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مشاہدے میں جاگتے ہوئے کرتے ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ بھائی افضل تو نیند میں ہے۔ تو لوگوں نے کہا کہ حضرت! افضل نیند میں کیسے افضل ہے تو آپ نے فرمایا: جو مشاہدے میں کرے تو اس کے اندر حواس کا عنصر شامل ہو سکتا ہے اور نیند میں حواس معطل ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا نیند کے اندر زیارت افضل ہے بہ نسبت مشاہدے کے۔ اسی طرح وحی کے وقت ظاہری اعضا کو معطل کر دیا گیا تا کہ مرادِ حق میں کسی کی ذاتی مراد شامل نہ ہو سکے تو علم کو موقوف کر دیا گیا۔

قرآن محفوظ:

یہ جو قرآن ملا تو اس کی حفاظت کے لیے دیکھو! محافظین کی ایک جماعت بنا دی، سیکورٹی کی ایک جماعت اللہ نے بنا دی۔

...... یہ قرا حضرات حروفِ قرآن کے محافظ۔

...... یہ علما حضرات معانیِ قرآن کے محافظ۔

...... اور یہ مشائخ حضرات یہ معارفِ قرآن کے محافظ۔

ٹیم بنا دی گئی، اب نہ الفاظ میں تبدیلی ممکن، نہ معانی میں، نہ حروف میں، نہ معارف میں، کوئی بھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ محفوظ علم ہے جو نبی علیہ السلام سے نکلا اور آج ہم تک پہنچا۔

حدیث محفوظ:

اب قرآن کے بعد رہ گیا نبی علیہ السلام کا کلام جس کو ہم حدیثِ پاک کہتے ہیں۔ حدیث کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے

کچھ رجال الحدیث پیدا کر دیے، جو الفاظِ حدیث کے محافظ بنے۔

اور کچھ اللہ نے فقہا پیدا فرما دیے جو معانی حدیث کے محافظ بنے۔

تو کلام اللہ بھی محفوظ اور کلامِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی محفوظ، یہ محفوظ دین ہے۔

علماء کا منصب صوفیا سے زیادہ اہم ہے:

اور علما کا منصب بھی یہی ہے کہ وہ دین کے محافظ بن جائیں۔ لہٰذا منصب کی وجہ سے اللہ کے ہاں علما کا درجہ بڑا ہے۔ یاد رکھنا کہ علما کی منصبی خدمت بہ نسبت صوفیا کے زیادہ اہم ہے۔ اس لیے کہ وہ دین کے محافظ ہیں، اگر وہ نہ ہوں گے تو دین ہی نہیں رہے گا۔ جب دین نہ رہا تو صوفیا کیا کر سکیں گے؟ دونوں اہم ہیں لیکن نسبتاً دیکھا جائے تو علما کی منصبی خدمت زیادہ ہے۔ لہٰذا علما کا اکرام دل میں ہونا چاہیے اور مشائخ کے ساتھ دل میں محبت ہونی چاہیے۔ آج لوگوں کو دیکھا کہ علما سے اور علم سے بُعد ہوتا جا رہا ہے یہ چیز یقیناً انتہائی قابل افسوس ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ یہاں تک فرماتے ہیں کہ علم ظاہر کا منکر واجب القتل ہے۔

((وَ مَنْ لَمْ يَرْضٰى مِنْهُ شَيْئًا بِذَوْقٍ فَلَيْسَ يَضْرِبُ حَقِيْقَةُ النُّبُوَّةِ

وَ خَاصِيَتِهَا))

''علم کے ساتھ ذوق نہیں ہوگا تو تم نبوت کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے''

بے عمل عالم گدھے کی مانند:

لیکن یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ علم ہو اور عمل نہ ہو تو اللہ نے فرمایا:

﴿ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ﴾

''وہ گدھے کی مانند ہیں جن کے اوپر بوجھ لادا ہوا ہے۔''

عمل ضروری ہے۔ اسی عمل کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے یہ مجالس کی جاتی ہیں ورنہ علم تو آپ حضرات کے پاس پہلے ہی بہت زیادہ ہے۔ وہ جذبہ کیسے پیدا ہو؟ وہ آگ کیسے لگے؟ ان مجالس سے وہ تیلی لگتی ہے، آگ لگ جاتی ہے، اندر بیقراری رہتی ہے۔ علم وہ نور ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد اس پر عمل کیے بغیر چین نہیں آتا۔ علم انسان کو بیقرار رکھتا ہے جب تک کہ انسان اس پر عمل نہ کر لے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں علمائے یہود کے بارے میں فرمایا:

﴿ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اگر وہ جانتے''

اس کا مطلب ہے ان کے علم کو اللہ نے علم ہی نہیں سمجھا، حالانکہ وہ کتاب تو بڑی پڑھتے تھے۔

﴿ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتَابَ ﴾

اس لیے علمِ محض کے اوپر کفایت کر لینا یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب بات کہی، فرماتے ہیں:

علمِ رسمی سر بسر قیل است و قال

نے ازو کیفیتے حاصل نہ حال

؎ علم چہ بود آں کہ رہ نمایدت
زنگ گمراہی ز دل بروایدت

علم وہ ہے جو دل سے گناہوں کے گند کو نکال دیتا ہے۔

؎ ایں ہوسہا از سرت بیروں کند
خوف و خشیت در دلت افزوں کند

یہ علم وہ نور ہے جو تیرے سر سے دنیا کی ہوس کو نکال دے گا، اور اللہ کا خوف اور اللہ کی خشیت تیرے اندر بڑھا دے گا۔

؎ تو ندانی جز یجوز و لا یجوز
خود ندانی کہ حوری یا عجوز

''تو نہیں جانتا کہ سوائے اس کے یہ جائز ہے یا ناجائز، تمہیں نہیں پتہ کہ تو حور ہے یا بڑھیا ہے۔ کچھ نہیں پتہ۔''

بقول شاعر

؎ علم نبود غیر علم عاشقی
ماقعی تلبیس ابلیس شقی

''علم نہیں جس کے اندر عشق کا علم نہ ہو۔ جو عشق کے علاوہ علم ہے وہ تو ابلیس کی تلبیس ہے۔''

؎ علم چوں بر دل زنی یارے بود
علم چوں برتن زنی مارے بود

''جب علم دل میں اترتا ہے تو یار بن جاتا ہے، علم جب جسم پر رہتا ہے تو اس وقت یہ سانپ کی مانند ہوتا ہے۔''

لہذا وہ علم جس پر عمل نہ ہو وہ جہالت کی مانند ہے۔ ع

علمے کہ رہ حق نہ نماید است

تو اس عمل کے جذبے کو حاصل کرنے کے لیے علما کو محنت کرنی پڑتی ہے۔

علمائے کرام کے لیے رہنما ہدایات

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے چند ملفوظات ہیں جو اس عاجز نے اپنے اور آپ کے فائدے کے لیے منتخب کیے ہیں۔ یہ مجلس علما طلبا کی ہے، لہٰذا ہم اس میں کھل کر بات کر سکتے ہیں، حضرت کے ملفوظات پڑھ سکتے ہیں۔

○ اپنی غلطی تسلیم نہ کرنے کا مرض:

حضرت فرماتے ہیں کہ علما میں اپنی غلطی تسلیم نہ کرنے کا بڑا مرض ہے۔ اب یہ بات طبیبِ کامل کہہ رہے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے علم میں بھی، عمل میں بھی، تقویٰ میں بھی بڑا مقام دیا۔ جن کو مجددِ ملت کہا گیا ہے، ان کی تشخیص ہے کہ علما میں اپنی غلطی تسلیم نہ کرنے کا مرض ہوتا ہے۔ کیونکہ منطق پڑھتے ہیں لہٰذا دلیلیں تو دے دیتے ہیں، جب بندے کو دلیلیں آتی ہوں تو دلیلوں کا کیا؟ جس چیز کی چاہو دلیل بنا لو۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا اپنا زمانۂ طالب علمی کا واقعہ ہے کہ میلا لگا ہوا تھا، میں دیکھنے گیا، واپسی پر کسی بزرگ عالم نے مجھے پکڑ لیا، کہنے لگے کہ تو کیوں میلے میں گیا تھا؟ میں نے آگے سے جواب دیا کہ حضرت جو بندہ اس نیت سے جائے کہ میں عالم بنوں گا تو مجھے پتہ ہونا چاہیے کہ میلے میں کیا ہوتا ہے تا کہ جائز ناجائز کے بارے میں بتا سکوں تو اس نیت سے جانا جائز ہوگا۔ تو عوام گناہ کریں گے اپنے آپ کو مجرم سمجھتے ہوئے اور عالم گناہ کرے گا اس کو جائز بنا کے۔ Logic (دلیل) نکال لیں

گے۔

چنانچہ ایک مرتبہ ایک صاحب سے بات ہونے لگی، اس عاجز نے ان کو ترغیب دی کہ نگاہوں کی حفاظت کرنی چاہیے تو آگے سے جواب دینے لگے: حضرت! وہ شریعت کا حکم ہے نا کہ کسی کو نکاح کی نیت سے دیکھا جا سکتا ہے، لہٰذا میں راستے میں گزرتے ہوئے نکاح کی نیت سے دیکھتا ہوں۔ میں نے آگے سے کہا کہ اچھا اگر وہ کسی کی بیوی ہو تو، گلی میں چلنی والی کا کیا پتہ کسی کی بیوی آ رہی ہو تو اس سے نکاح ہو سکتا ہے؟ شیطان ایسا چکر چلاتا ہے کہ انسان گناہ کو جائز بنا کے کر رہا ہوتا ہے۔

تو اصلاح کی پہلی بات یہ کہ اپنی غلطی تسلیم کرنے کی عادت ہونی چاہیے کہ جہاں محسوس کرے کہ میری رائے ٹھیک نہیں تھی، میرا خیال ٹھیک نہیں تھا تو تسلیم کرنے میں کیا حرج ہے؟ غلطی کو تسلیم کرنا آدم کی نسبت ہے اور تسلیم نہ کرنا شیطان کی نسبت ہے۔ اور اگر ہم تسلیم نہیں کرتے تو ہمارے اندر ضرور شیطانیت کا اثر موجود ہے۔ آج جب بات کر دیتے ہیں تو پھر زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد۔ زمین ہلتی ہے تو ہل جائے، گل محمد نہیں ہلے گا۔ مگر سب میں یہ بات ضروری نہیں لوگوں میں تقویٰ والے، نیکی والے، بلندیوں والے، ایسے حضرات بھی موجود ہیں۔ پانچوں انگلیاں تو برابر نہیں ہوتی لیکن بات اس لیے کر دی گئی کہ ایک بات جو دیکھنے میں آتی ہے بعض علما اور طلبا میں تو اس لیے عمومی بات کر دی۔

○ اپنے اخلاص کا امتحان کرتے رہیں:

دوسری بات فرمائی کہ علما کو اپنے اخلاص کا خود امتحان لیتے رہنا چاہیے کہ ہم اخلاص سے کام کر رہے ہیں یا ریا کاری کر رہے ہیں، یا مخلوق کی رضا کے لیے، کس کے لیے کر رہے ہیں۔ تو بندے کو پتہ تو چل جاتا ہے کہ کس کے لیے کر رہا ہے؟

مثال کے طور پر ایک مدرسے سے فراغت ہوئی اور دوسرے مدرسے چلے گئے، گئے تو اس لیے کہ وہاں تنخواہ زیادہ ہے مگر پہلے مدرسے کے تمام عیوب اور باتیں اب لوگوں کے سامنے کرتے پھریں گے۔تو اخلاص کیسا بھئی! آپ اگر دوسرے مدرسے میں جارہے ہیں تو آپ بتادیں کہ یہاں میری ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں وہاں پوری ہوتی ہیں۔نہیں جس مدرسے میں جائیں گے ایک محاذ قائم ہو جائے گا۔اس کے اساتذہ پر تنقید، اس کے طلبا پر تنقید، ان کی نظم میں تنقید، ہر چیز بری ہوگئی۔اب وہ دارالعلوم نظر نہیں آتا، کہیں گے جی وہ تو دارِعلم ہے۔دار بلغت فارسی۔فارسی میں دار کا معنیٰ ہے پھانسی۔علم کا پھانسی گھر ہے۔جب تک یہاں تھے دارالعلم تھا اور جب ہٹے اب دارِعلم بن گیا۔تو اخلاص کا امتحان لینا چاہیے۔اگر کسی شخص سے الگ ہو گئے تو اب مخالف ہو گئے، بھئی! اللہ نے جتنا چاہا آپ نے فائدہ اٹھایا، اب آپ اگر کسی دوسرے کے ساتھ محبت زیادہ محسوس کرتے ہیں تو یہ فرض ہے کہ پہلے کے نقائص بیان کریں۔پہلے پر تنقید انسان ہمیشہ اپنی نفسانیت کی وجہ سے کرتا ہے، جہاں اخلاص ہوتا ہے وہ دوسرے سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور پہلے کے بارے میں دعا کرتے ہیں۔

تو دوسری بات کہ علما کو اپنے اخلاص کا خود امتحان لیتے رہنا چاہیے۔

○ سب سے یکساں تعلق رکھیں:

اور تیسری بات یہ کہ علما کو چاہیے کہ ان کا سب کے ساتھ یکساں تعلق ہو۔یہ جو ہوتا ہے نا پارٹیاں بن جانا، لوگوں میں گروہ بن جانا، علما کو ان کے ساتھ شامل نہیں ہونا چاہیے۔حتیٰ کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ علما اور فقہا کو عدالت میں شہادت بھی نہیں دینی چاہیے، اس لیے کہ ایک خوش ہوگا تو دوسرا ناراض ہوگا۔اس لیے سب کے ساتھ یکساں تعلق ہونا چاہیے کیونکہ یہ سب کے رہنما ہیں، مسجد کے آدھے نمازیوں کے

امام نہیں ہیں، سب نمازیوں کے امام ہیں۔

○ عوام کے تابع بن کر نہ رہیں:

اور علما کو چاہیے کہ عوام کے تابع بن کر نہ رہیں۔ اور واقعی ہم نے یہ مرض آج کے زمانے میں بہت دیکھا، ماشاء اللہ! کسی ملک کے صدر کو گالیاں نکلوا لو نکال دیں گے مگر مسجد کے صدر کی جوتیاں اٹھائیں گے۔ اس لیے کہ تنخواہ وہ دیتا ہے، مسجد کا صدر ہے نا۔ وہ عوام میں سے ہوتا ہے مگر اس کا اکرام ہوتا ہے۔ اس کی ہر بات کی تعمیل ہوتی ہے تو علم کی شان یہ نہیں ہے کہ علما عوام کے تابع بن کر رہیں۔

○ اہلِ دنیا سے مستغنی رہیں:

اور یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ جو علما اہل دنیا سے مستغنی ہو جاتے ہیں، اللہ غیب سے ان کی مدد فرماتا ہے۔ دین کے معاملے میں کھری بات کرتے ہیں تو ان کی غیب سے مدد ہوتی ہے۔ ہاں اگر کبھی دنیادار لوگ آئیں تو ان کی قدر کرنی چاہیے کیوں؟

((نِعْمَ الْاَمِيْرُ عَلٰى بَابِ الْفَقِيْرِ))

جو وہ امیر تھا اپنے گھر میں تھا، جب وہ چل کر ایک عالم کے پاس آ گیا تو وہ نعم الامیر بن گیا۔ لہٰذا دنیادار اگر آئیں تو ان کا اکرام کریں، ویسے بھی حدیث پاک ہے:

((وَاِذَا اَتَاكُمْ كَرِيْمُ الْقَوْمِ فَاَكْرِمُوْهُ))

''اور جب تمہارے پاس قوم کے کریم آئیں تو اس کا اکرام کرو''

غیر مقصود کے پیچھے نہ پڑیں:

اور غیر مقصود کے درپے نہیں ہونا چاہیے، علما کا مقصدِ زندگی علم اور اس کی حفاظت

ہے۔علم کے علاوہ جو ادھر ادھر کے معاملات ہیں وہ مقصود نہیں ہیں، ان کے در پے نہیں ہونا چاہیے۔اس کی مثال تو ایسے ہے کہ گھر میں نوکر کی خدمت کام آتی ہے،اس کا فیشن کام نہیں آتا، اگر وہ کام نہ کرے اور روز کپڑے ایک سے ایک پہن کر آئے تو اس کو کوئی نوکری پر رکھے گا؟ تو علما کا علم اور علم کی خدمت یہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

○ نظافت کا اہتمام رکھنا چاہیے:

تاہم علما کو نظافت کا خاص اہتمام کرنا چاہیے، نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَلنَّظَافَةُ نِصْفُ الْإِيْمَانِ))

((اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْإِيْمَانِ))

تو دین میں پاکی اور صفائی کو پسند فرمایا، اندر کی ہو یا باہر کی، دونوں کو پسند کیا۔لہٰذا علما کو طبعاً صفائی پسند ہونا چاہیے۔اب صفائی سے مراد یہ نہیں کہ استری کلف کا خیال رہتا ہو۔نہیں بلکہ اس کا مطلب ہے پسینے کی بدبو نہیں آنی چاہیے۔کپڑے میلے تو نہیں ہونے چاہییں کہ اپنے کپڑوں پر ہی داغ نظر آئیں۔حدیث پاک میں ہے کپڑا صاف ہوتا ہے اللہ کا ذکر کرتا ہے، جب کپڑا میلا ہو جاتا ہے تو ذکر کرنا چھوڑ دیتا ہے۔تو طبعاً صفائی پسند ہونا چاہیے۔

اکثر یہ دیکھا ہے کہ ہم ایسی غذائیں کھاتے ہیں کہ دانتوں میں جم جاتی ہیں اور فقط مسواک سے دانت صاف نہیں ہوتے۔تو بھائی مسواک تو کریں سنت کی نیت سے لیکن اگر آئس کریمیں اور یہ چیزیں کھانی ہیں تو پھر برش بھی کر لیں تاکہ منہ سے بد بو تو نہ آئے۔کتنی عجیب بات ہوتی ہے کہ انسان اتنے بڑے منصب پہ فائز ہو اور منہ سے بو آ رہی ہو۔اس لیے انسان کو صفائی پسند ہونا چاہیے۔

فضلِ عظیم کی حفاظت کرنی چاہیے:

تحصیلِ علم کے بعد ایک نعمت ملتی ہے جس کو کہتے ہیں فضل۔ تو اس فضل عظیم کی حفاظت کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے حبیب ﷺ

﴿وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾

جب علم ملا تو علم کے ساتھ وہ فضل عظیم بھی ملتا ہے۔ اس کی حفاظت کیسے ہوگی؟ علم کو تازہ رکھنا چاہیے۔ علم کو تازہ رکھنے کی سب سے بہترین صورت تو تدریس ہے یا تو کل وقتی ہی پڑھالیں اور اگر اور تقاضے ہیں تو جز وقتی پڑھالیں، مگر تعلیم تعلّم کے ساتھ رشتہ تو جڑا رہنا چاہیے۔ اگر طلبا کے مدارس میں ان کو نہیں پڑھا سکتے تو چلو محلے کے نوجوان انگریزی پڑھوں کو پڑھالیں تا کہ علم کے ساتھ ایک رشتہ جڑا رہے۔ تو تدریس سب سے اعلیٰ اور اگر یہ صورت نہیں بن رہی، تو وعظ ہی سہی۔ صبح کو درس دے دیا، شام کو درس دے دیا، صبح کو تفسیر شام کو حدیث تو بھی انسان مطالعہ کرتا رہتا ہے۔ اور اگر یہ بھی صورت نہ بنے تو آخری اور سب سے کم درجے کی صورت ہے کہ کتابوں کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیے، اس سے بھی علم تازہ رہتا ہے۔ تو تینوں میں سے کوئی نہ کوئی ایک صورت ضرور اختیار کرنی چاہیے۔

تمام شبہات کا جواب دینا ضروری نہیں:

ایک نکتہ کی بات: علما کو عوام الناس کے تمام شبہات کا جواب دینا ضروری نہیں ہے۔ آج کے دور میں کچھ نوجوان سائنس کے مسئلے لے کر آ جاتے ہیں۔ تو بھئی قرآن پاک میں سائنس کو تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ مرض کی تشخیص کریں کہ اس بندے کے اندر مرض کیا ہے؟ اس کو جڑ سے اکھاڑ دیں تو علاج ہو جائے گا۔ مثال

کے طور پر شکوک وشبہات کی جڑ کیا ہے؟ اللہ کی محبت میں کمی۔ جب محبت موٹی ہوتی ہے تو عیب پتلے ہوتے ہیں، محبت پتلی ہوتی ہے تو عیب موٹے ہوتے ہیں۔ اللہ کی محبت موٹی ہوگی تو شکوک پتلے ہو جائیں گے بلکہ ختم ہی ہو جائیں گے۔ اور اگر محبت پتلی ہوگی تو شکوک موٹے ہو جائیں گے۔ لہٰذا اگر کوئی بندہ ایسا آیا جس کو دین میں شکوک وشبہات کا مسئلہ ہے تو تشخیص یہ ہے کہ اس کے اندر محبت الٰہی کی کمی ہے۔ تو جواب دینے کی بجائے اہلِ محبت کی مجالس میں اس کو بھیج دیجیے، مسئلہ ہی حل ہو جائے گا۔

اے لقائے تو جوابِ ہر سوال
بات مشکل حل شود بے قیل و قال

مجھے کئی علما کہتے تھے کہ میں آپ کے حضرت سے ملوں گا تو تصوف کے کچھ سوال پوچھوں گا، میں کہتا کہ ضرور پوچھنا، جب وہاں جاتے تھے تو زبان کو تالا لگ جاتا تھا۔ تو مرض کی تشخیص کرنی چاہیے، ہر شبہ کا جواب دینا ضروری نہیں ہے۔ اور پھر عوام کے ٹرینڈ کو دیکھتے ہوئے قرآن مجید سے سائنس نکال نکال کے پیش کرنا، جیسے ڈاکٹر حضرات کرتے ہیں تو یہ بھی درست نہیں۔

زعشق نا تمام ما جمال یار مستغنی است
باب و رنگ و حال و خط چہ حاجت روئے زیبارا

جو خوبصورت ہوتا ہے اس کو میک اپ کی پھر کیا ضرورت ہوتی ہے؟ یہ شریعت خوبصورت ہے، کیا ضرورت ہے کہ اس سے سائنس کو ثابت کرتے پھریں۔

○ ذاتی عوارض کی بنا پر امر بالمعروف سے نہ رکیں:

پھر کئی مرتبہ ایک اور بھی الجھن ہوتی ہے کہ ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ میں تو فلاں

گناہ کرتا ہوں میں لوگوں کو درس کیسے دوں؟ چنانچہ بیرون ملک میں ہمیں یہ مسئلہ بہت پیش آیا۔ ہمارے کئی طلبا جو اپنے ملک میں پڑھ کر گئے ان کو کہا کہ بھائی درس شروع کرو، پڑھانا شروع کرو۔ تو یہی جواب کہ جی ہمارے تو اپنے اندر عمل نہیں ہے، نگاہ میں احتیاط نہیں، کھانے پینے میں اِدھر اُدھر کے کھانے بھی سب کھا لیتے ہیں، ہم کیا کسی کو کہیں۔ یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکا ہے اور پھر شیطان ذہن میں کیا بات ڈالتا ہے؟

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾

''لوگوں کو تم نیکی کی ترغیب دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو''

لہٰذا علم پڑھنے کے باجود سب دین کا کام ٹھپ، بھائی آیت میں امر بالمعروف کو کوئی نیکی سے مشروط تو نہیں کیا گیا کہ جو خود نیک ہو گا وہ امر بالمعروف کرے اور جو نہیں وہ نہیں کرسکتا، تو مشروط تو نہیں ہے۔ آپ خود یہ سوچیں ایک تو گناہ کے مرتکب ہوئے اور دوسرا امر بالمعروف کو چھوڑ کر ایک اور گناہ کے مرتکب ہو گئے۔ ایک کے مرتکب ہوئے ہیں تو دوسرا تو ٹھیک کرلیں نا کیا پتہ کہ امر بالمعروف کی برکت سے اللہ اس کی بھی توفیق عطا فرما دیں۔

چنانچہ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے اندر کوئی خاص بیماری محسوس کرتا تو میں اسی کے اوپر وعظ کیا کرتا تھا تو وعظ کی برکت سے اللہ تعالیٰ مجھے شفا عطا فرما دیتے تھے۔ بھئی! سننے والوں کے کان دور ہوتے ہیں اور کہنے والے کے کان منہ کے نزدیک، یہ نیت کرلو کہ اے اللہ! میں بات تو دین کی کر رہا ہوں، اب جو کان سب سے قریب ہے اس کو سب سے پہلے توفیق عطا فرما دے۔

○ تحریر و تقریر میں مہارت ہونی چاہیے:

علما کو تحریر اور تقریر دونوں میں مہارت ہونی چاہیے۔ کئی مرتبہ شیطان ذہن میں ڈالتا ہے کہ جی ریا کاری ہے، نہیں! آپ دین کی بات پہنچا رہے ہیں، سلیقے سے طریقے سے لوگوں کی ذہنی سطح کو سامنے رکھ کر اگر بات کریں گے تو اس کا اثر ہوگا۔

((كَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ))

''لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق بات کرو''

تاہم تحریر کا نفع خواص کو اور تقریر کا نفع عوام اور خواص دونوں کو ہوتا ہے۔ تو ہم دونوں طریقوں سے دین کی خدمت کریں، تحریر سے بھی اور تقریر سے بھی۔ مگر سمجھنے کی بات ہے آج کل علما تقریر کرتے ہیں عوام کو خوش کرنے کے لیے اور مشائخ ملفوظات بیان کرتے ہیں اپنی بزرگی کو ظاہر کرنے کے لیے، یہ سراسر نفس پرستی ہے۔

○ مال پہ رال نہیں ٹپکانی چاہیے:

ایک اور بات پھر علما کو مال کے اوپر رال نہیں ٹپکانی چاہیے، آج کل دنیا داروں کا یہی حال ہے۔

﴿يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾

(قصص:۷۹)

''کاش کہ میرے پاس اتنا ہوتا جتنا قارون کے پاس تھا، بے شک وہ تو بڑا ہی نصیب والا ہے''

تو اس وقت کے علمانے کیا کہا تھا؟

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ﴾ (قصص:۸۰)

''اور علم والوں نے کہا: ہائے تمہاری بربادی اللہ کا ثواب بہتر ہے''

آج کے دور میں بھی جو علم کا وارث ہوگا وہ یہی بات کرے گا: جو میرے نصیب میں ہے، اللہ مجھے پہنچا دے گا، میں مال کے پیچھے اپنے دین کو نہیں بیچنے لگا۔ ہم نے دیکھا کہ علما مال کی وجہ سے ایسی مساجد میں امامت کرتے ہیں جو بدعقیدہ لوگوں کی ہوتی ہیں، بدعات ہو رہی ہوتی ہیں اور خاموش ہوتے ہیں۔ کیا کریں جی ہمیں امامت جو وہاں ملی۔ تو ایسی جگہوں میں جہاں اتنے غلط عقائد کہ شاید دین سے ہی فارغ ہوں وہاں جا کر ان کے امام بنتے ہیں، مال کی خاطر۔

ہمیں ایک صاحب ملے، بچپن میں اپنی مسجدوں میں سے کسی میں ان کے پیچھے نماز پڑھی تھی، بیس سال کے بعد ملے، پتہ چلا کہ اب محرم کی مجالس پڑھتے ہیں، آواز اچھی تھی۔ کہنے لگے: جی میں کیا کروں، وہ مجھے ایک رات کے ایک لاکھ روپے دیتے ہیں۔ اتنے پیسے مجھے سارے سال میں کوئی مسجد والا نہیں دیتا، کیا کروں؟ مال پہ رال ٹپکانہ اور دین کے اندر خلل ڈال دینا یہ علما کا منصب نہیں ہے۔ جو مقدر ہے اللہ دے دیں گے۔ اس لیے ہمارے مشائخ ضروریات کے لیے ترغیب بھی دے دیتے تھے، اطلاع بھی دے دیتے تھے، پیچھے نہیں پھرتے تھے۔ تو ترغیب دینا انفاق فی سبیل اللہ کے لیے اور اطلاع پہنچا دینا کہ یہاں ضرورت ہے، یہ سنت ہے۔ ترغیب دینا اور ضرورت کا اظہار کرنا، یہ سنت ہے اور دنیا داروں کے پیچھے پھرنا یہ حرام ہے۔ اس کی اجازت نہیں ہے، علم کے اپنے مقام کا خیال ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو فرماتے ہیں۔

﴿ اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ هُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴾

آیت پڑھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔

○ علما کافر بناتے نہیں، بتاتے ہیں:

اور آج عوام الناس کو یہ غلطی لگ گئی، جی علما تو عوام کو کافر بناتے ہیں۔ بھائی اپنی غلط فہمی کا ازالہ کرلیں کہ علما عوام کو کافر بناتے نہیں کافر بتاتے ہیں۔کوئی کفر کی بات کرے گا یا کلمہ کہے گا تو وہ بتا دیں گے کہ کفر کی بات ہے۔تو بناتے نہیں بتاتے ہیں۔تو بتانا تو جرم نہیں ہے۔منہ پر کالک لگی ہوئی ہو کوئی کہے کہ جی کالک لگی ہوئی ہے تو وہ دشمن نہیں وہ تو دوست ہے، اگر نہ بتاتا تو کالک لگی رہتی۔اسی طرح اگر ہم کفر پر عمل کریں گے یا کفریہ بات کریں گے تو بتانے والا ہمارا دوست ہوگا وہ دشمن نہیں ہوگا۔ علما کافر بناتے نہیں کافر بتاتے ہیں۔

○ علما کو سلوک میں مجاہدہ کم کرنا پڑتا ہے:

ایک بات اور کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ علما کو سلوک سیکھنے میں مجاہدہ کم کرنا پڑتا ہے۔وہ کیوں؟ گیلی لکڑی کا جلانا مشکل خشک لکڑی کو جلانا آسان، وہ فوراً آگ پکڑ لیتی ہے۔تو یہ طلبا علم حاصل کرنے کے لیے جو مجاہدہ کرتے ہیں تو یہ خشک لکڑی بن چکے ہوتے ہیں۔اب کسی صاحب دل کی مجلس میں آئیں، بس تیلی لگانے والی بات ہوگی۔ ہمارے مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے تھے کہ کوئی عالم اگر مجھے چالیس دن دے دے، تو چالیس دن میں اس کے دل کے اندر نسبت کا نور پیدا ہو جائے گا۔اور حدیث پاک سے دلیل دیتے تھے جس میں فرمایا گیا کہ جو انسان چالیس دن پورے اخلاص کے ساتھ عبادت کرتا ہے اس کے دل میں حکمت کے چشمے پھوٹ جاتے ہیں، اس حدیث پاک سے دلیل دیا کرتے تھے۔ یَنَابِیْعُ الْحِکْمَةِ حکمت کے چشمے پھوٹتے ہیں، حضرت اس حدیث پاک سے دلیل لیا کرتے تھے۔

نیت اگر ہو اور اخلاص کے ساتھ انسان اگر اپنے آپ کو پیش کر دے، چالیس دن ہمارے اکابر کے لیے بہت ہوتے ہیں۔

○ مضامین کو آسان بنا کر پیش کریں:

تعلیم تعلم کے دوران درس دیتے ہوئے مضامین کو آسان بنا کر پیش کریں، نفس ذہن میں یہ بات ڈالتا ہے طلبا سمجھیں گے اس کو اتنا علم ہی نہیں۔ تو ایسی سخت اصطلاحات استعمال کریں گے کہ بات طلبا کے سر سے گزر جائے گی اور وہ کہیں گے کہ جی بڑا علم ہے ہمارے استاد کے پاس۔ تو مضامین کو آسان بنا کر پیش کریں، جب طلبا سمجھ لیں گے تو استاد کی اہمیت خود بخود دل میں آئے گی۔

○ مدارس میں اصلاحی بیانات کرواتے رہیں:

اور اگر مدارس چلا رہے ہیں تو مدرسے میں اصلاحی بیانات معمول کے حساب سے کروانے چاہئیں۔ بعض مدارس میں تو عصر کے بعد مشائخ کے ملفوظات کی مجلس ہوتی ہے یہ بھی ٹھیک ہے۔ وگرنہ اصلاحی بیانات ہوتے رہنے چاہئیں۔

﴿ وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (ذریٰت:۵۵)

''نصیحت کیجیے، نصیحت سے ایمان والوں کو فائدہ ہوتا ہے۔''

اس سے طبیعت کے اندر نیکی کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ ہم نے ایک مرتبہ طالبات کے مدرسہ میں کہا کہ جو طالبات باقاعدگی کے ساتھ نو نمازیں پڑھیں گی، پانچ نمازیں فرض اور چھٹی اشراق، ساتویں چاشت، آٹھویں اوابین اور نویں تہجد، تو اس کو ہم انعام دیں گے۔ اتنی سی بات کرنے پر سال کے آخر میں لکھ کر دیا گیا کہ مدرسے کی بتیس طالبات نے انعام حاصل کیا۔ معلمات نے اس کا ریکارڈ رکھا، الحمد للہ ایک

مدرسہ کے اندر بتیس بچیاں ایسی نکلیں جنہوں نے پورے سال میں نو نمازوں میں سے ایک نماز بھی قضا نہیں کی۔ چنانچہ جو اللہ کی محبت کے طلب گار ہوتے ہیں وہ تہجد کا اہتمام تو اس طرح کرتے ہیں جس طرح عوام الناس فرض نماز کا اہتمام کرتے ہیں۔ تو اصلاحی بیانات سے فائدہ ہو جاتا ہے۔

○ اپنے اوپر سخت دوسروں پر نرم:

ایک اصول کی بات کہ عالم کو اپنے اوپر سخت ہونا چاہیے اور دوسروں کے اوپر نرم ہونا چاہیے۔ نفس اس کے خلاف سکھاتا ہے، نفس کہتا ہے کہ دوسروں پہ سخت اور اپنے اوپر نرم۔

○ علم کی نعمت پر اللہ کا احسان ماننا چاہیے:

یہ اللہ کا احسان ماننا چاہیے کہ یہ اس نے علم کا نور عطا فرمایا۔

رَضِينَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِينَا
لَنَا عِلْمٌ وَ لِلْجُهَّالِ مَالٌ
فَإِنَّ الْمَالَ يَفْنِى عَنْ قَرِيبٍ
وَ إِنَّ الْعِلْمَ يَبْقَى لَا يَزَالُ

آج کے دنیا دار لوگ اگر اس علم کی اہمیت نہیں مانتے تو پھر کیا ہے، ہم نے تو وہاں پیش ہونا ہے جہاں پروردگار علم کی اہمیت کو جانتا ہے۔

ایک طالب علم تھا مدرسہ پڑھنے کے لیے آیا کسی انگریزی دان سے اس کی ملاقات ہو گئی تو اس نے کہا: کیا ملاں بن رہے ہو کسی نے تمہیں نوکری بھی نہیں دینی تو وہ بیچارہ گھر بیٹھ گیا۔ استاد سمجھدار تھے، انہوں نے پتہ کروایا کہ طالب علم آ کیوں نہیں

رہا؟ تو طالبِ علم نے حالات سنا دیے کہ میری تو اس بندے نے حوصلہ شکنی کی ہے کر دیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ تو ملنے تو آ، تو طالبِ علم ملنے کے لیے آ گیا۔ انہوں نے اس طالب علم کو ایک پتھر دیا اور کہا کہ جاؤ وہ جو سبزی کی دکان ہے وہاں سے سبزی لے کر آؤ۔ عورت سبزی کی دکان چلاتی تھی، طالب علم نے سبزی مانگی کہ اتنے کلو گاجریں دے دو۔ اس نے کہا: پیسے؟ اس نے کہا: یہ پتھر ہے۔ اس نے پتھر دیکھ کر کہا کہ پیسے دو ورنہ دو کلو گاجریں ادھر ہی رکھ جاؤ۔ اس نے واپس آ کر کہا: استاد جی اس عورت نے بڑا غصہ کیا اور اس پتھر کے بدلے دو کلو گاجریں بھی نہ دیں۔ انہوں نے کہا: اچھا فلاں منیاری والے کے پاس جاؤ، منیاری والے کے پاس لے کر گیا اس نے کہا: بھائی میں اس پتھر کے بدلے ہزار روپے کا سامان دے دوں گا۔ شاگرد بڑا حیران ہوا، اچھا ہزار روپے کا! استاد کے پاس واپس آیا۔ استاد نے کہا: نہیں، فلاں جیولر کے پاس جاؤ! اس جیولر کے پاس گیا، جی یہ پتھر میں نے دینا ہے، اس نے کہا: اس کے بدلے لاکھ روپے دوں گا تو شاگرد اور حیران ہوا۔ استاد کے پاس آ کر کہنے لگا: حضرت مجھے بات سمجھ نہیں آئی عورت نے تو ایک کلو گاجریں نہ دیں۔ منیاری والا ہزار روپیہ اور جیولر والا لاکھ روپیہ دینے پر آمادہ تھا۔ تو استاد نے کہا کہ یہ پتھر نہیں ہیرا ہے، سبزی والے کو اس کی کیا شناخت اور منیاری والے کو بھی تھوڑا پتہ تھا اور جیولر کو صحیح پتہ تھا۔ اس نے لاکھ روپے قیمت لگائی۔ تو علم کی قیمت وہی لگائے گا نا جو علم کی شان کو جانتا ہے۔ اب انگریزی خان بیچارے کو کیا پتہ دینی علم کی اہمیت کا۔

پھر تھوڑے دن گزرے تھے کے بادشاہِ وقت کو ایک مسئلہ پڑ گیا، اس نے بیوی کو کہہ دیا تھا کہ اگر تو چاند سے زیادہ خوبصورت نہیں تو تجھے طلاق۔ اب مسئلہ کا کسی کو پتہ نہیں کون فتویٰ دے؟ بادشاہِ وقت نے اسی استاد کے پاس بندہ بھیجا۔ استاد نے اس

لڑکے کو بھیجا کہ یہ فتویٰ ہے اور یہ اس کا جواب ہے، یہ اس کو فتویٰ دے کر آؤ۔ یہ بادشاہ کے پاس گیا اس کو جا کر جواب دیا کہ جی بیوی کو طلاق نہیں ہوئی اس لیے کہ اللہ نے قرآن پاک میں فرمایا:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾ (التین:۴)

''تحقیق ہم نے انسان کو سب سے بہتر صورت پر پیدا کیا''

تو انسان چاند سے زیادہ خوبصورت ہے، اس نے جب مسئلہ بتایا تو بادشاہ نے اس کو انعام دیا، سواریاں بھی دیں اور لوگوں کو کہا کہ اس کو گھر پہنچا کے آؤ۔ شاگرد حیران کہ بادشاہ نے اتنا خزانے کا مال بھیجا!

تو بھائی دنیادار لوگوں کے یہ جو کومنٹس (تبصرے) ہوتے ہیں ان پر کان ہی نہ دھرا کریں۔ کوئی کہے نا کہ ملاں بن رہے ہو مولوی بن رہے ہو، دل میں ہنسا کریں کہ بیچارے کو قیمت کا کیا پتہ؟ اس کو کیا معلوم کہ علم کی شان کیا ہے؟ اس کی جہالت کے اوپر دل میں حیران ہوا کرے۔ تاہم اللہ نے قرآن کا علم عطا کیا یہ اللہ کا کتنا بڑا انعام ہے۔

○ تین الیبلی کتابیں:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ تین کتابیں الیبلی ہیں۔

ایک فرماتے تھے قرآن پاک۔

دوسرا فرماتے تھے بخاری شریف۔

اور تیسرا فرماتے تھے مثنوی شریف۔

تین کتابیں الیبلی ہیں، کیا علوم و معارف اس کے اندر بھرے ہوئے ہیں۔

○ علم میں کامل ہونا مشکل ہے:

لیکن عجیب بات ہے کہ علم میں کمال حاصل کرنے کے لیے انسان کو علم اور عمل دونوں کو جوڑنا پڑتا ہے، ہر بندہ کامل نہیں بنتا۔ چنانچہ ایک صاحب تھے سیبویہ استاد کے پاس بیٹھے حدیث پڑھ رہے تھے، تو حدیث مبارکہ تھی

((مَنْ قَاءَ فِيْ صَلٰوتِهٖ اَوْ رَعُفَ))

تو اس نے حدیث پاک میں رَعُفَ کے بجائے رُعِفَ پڑھا

تو جب مجہول پڑھا تو استاد نے کہا کہ یار وہ علیم احمد کے پاس جا کے کچھ دن پڑھ لیتے۔ وہ نحو کے امام تھے۔ تو سیبویہ وہاں سے اپنے استاد علیم احمد کے پاس گئے۔ پھر ساری زندگی صرف ونحو میں گزار دی، چونتیس سال کی عمر میں وہیں وفات ہوئی۔ امام الصرف والنحو کہلائے لیکن باقی علوم تو حاصل نہ کر پائے، ایک ہی لائن کے اندر کامل بنے۔

ابن تیمیہ کو دیکھو! کتنا اللہ نے علم عطا فرمایا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ منقولات کے کھلاڑی اور معقولات کے اناڑی تھے۔ منقولات حدیث کے علم میں علما نے کہا کہ ابن تیمیہ کہیں کہ میں نے حدیث نہیں سنی تو مان لو کہ وہ حدیث موضوع ہوگی۔ اللہ نے انہیں حدیث کا اتنا علم دیا۔ لیکن معقولات، تفقہ، فقاہت وہ تو نہیں تھی۔ فقاہت میں یہ حال تھا کہ آٹھ تراویح کا فتویٰ دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم دین کو زیادہ جانتے تھے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کے اندر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو بیس تراویح پڑھائیں اور کسی صحابی نے اس پر اعتراض ہی نہیں کیا۔ تو منقولات کے کھلاڑی اور معقولات کے اناڑی۔ کامل بننا کوئی آسان کام نہیں ہے کامل بننے کے لیے کاملین کی صحبت میں آنا پڑتا ہے۔

علمائے دیوبند کا کمالِ علم وعمل

ہمارے اکابر علمائے دیوبند کی شان یہ تھی کہ پہلے انہوں نے علم حاصل کیا اور پھر کاملین کی صحبت پائی تو اللہ نے پھر ان کو کمال عطا کیا، چنانچہ یہ مسندِ ارشاد پر بیٹھتے تھے تو وقت کے جنید اور بایزید نظر آتے تھے اور جب مسندِ حدیث پر بیٹھتے تھے تو وقت کے عسقلانی اور قسطلانی نظر آتے تھے، اللہ نے کامل بنایا۔

حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ علمی:

اکابر علمائے دیوبند کے بارے میں ذرا سن لیجیے، بیٹا باپ کی بات کر کے خوش ہوتا ہے، طالب علم اپنے استاد کی بات کر کے خوش ہوتا ہے تو ہم اپنے استاد کی بات کیوں نہ کریں؟ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے شرح مسلم لکھی فتح الملھم کے نام سے، جن کے علم کا لوہا دنیا مانتی ہے، وہ اپنے استاد علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

سَأَلْتُ عَلَّامَةَ النَّقِيِّ التَّقِيِّ اَلَّذِیْ لَمْ تَرَی الْعُیُوْنُ مِثْلَهٗ وَلَمْ یَرَهٗ مِثْلَهٗ

”یعنی میں نے پوچھا اپنے استاد وعلامہ جو نقی بھی تھے اور تقی بھی تھے۔ وہ شخصیت کہ ان جیسے علم والا آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ اور ان کی آنکھوں نے بھی ان جیسا علم والا نہیں دیکھا۔“

وَلَوْ کَانَ فِیْ طَالِبِ زَمَانٍ لَکَانَ لَهٗ شَانٌ فِیْ سَبْقَةِ اَهْلِ الْعِلْمِ عَظِیْمٌ

”اگر پرانے وقتوں میں ہوتے تو علم کے طبقہ میں ان کی بڑی شان ہوتی۔“

وَ هُوَ سَیِّدُنَا وَ مَوْلَانَا الْاَنْوَرْ شَاه الْکَشْمِیْرِی

اور وہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

اب بتائیں کہ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اگر یہ الفاظ کہتے ہیں تو ان کی علمیت کی کیا شان ہوگی؟

حضرت اقدس اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جب مجلس میں تشریف لاتے تھے تو مجھ پر ان کی علمی جلالتِ شان کی وجہ سے ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی شانِ علمی رحمۃ اللہ علیہ:

وہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ وہ ہمارے اکابر کے بارے میں لکھتے ہیں:

اِبْنُ نُجَیْرِ الْمِصْرِیّ صَاحِبُ الْبَحْرِ الرَّائِقِ اَفْقَهُ عِنْدِیْ مِنَ الشَّامِیْ

''میری نظر میں ابن نجیر مصری صاحب البحر الرائق شامی سے زیادہ فقیہ تھے''

یہ بحر رائق شرح ہے کنز الدقائق کی، مصر کے عالم ابن نجیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر کتاب لکھی۔ اس لیے جو تخصص فی الفقہ کے طلبا ہوتے ہیں وہ اس کتاب سے بڑا استفادہ کرتے ہیں۔ تو ان کے بارے میں علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شامی سے زیادہ فقیہ تھے۔

لِاَنَّ اَمَارَاتِ الْفِقْهِ طُلُوْعٌ مِّنْهُ

''اس لیے کہ ان کے اندر فقہ کی شان چمکتی تھی''

علامات چمکتی تھی ان سے۔ تو ابن نجیر کے بارے میں کتنی بڑی بات کہی اور پھر فرماتے ہیں:

وَكَذَالِكَ شَاه عَبْدُ الْعَزِيزِ الْمُحَدِّثُ الدِّهْلوِی وَكَذَالِكَ شَيْخُ مَشَائِخِنَا رَشِيْد اَحْمَد گنگوهِيْ اَفْقَهُ عِنْدِيْ مِنَ الشَّامِي

یہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری نظر میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ فقیہ تھے۔

چنانچہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ضیاع العلوم کے اندر فرماتے ہیں جو مجھ سے تعلق رکھتے ہیں وہ مولوی رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ کو میری جگہ بلکہ مجھ سے اعلیٰ سمجھیں۔ یعنی استاد اپنے شاگرد کے بارے میں، پیر اپنے مرید کے بارے میں کہہ رہا ہے کہ وہ ان کو مجھ سے بہتر سمجھیں اور ان کے وجود کو غنیمت سمجھیں۔ اب ایسے لوگ دنیا میں پیدا نہیں ہوتے۔

حاجی صاحب فرماتے تھے: جس طرح شمش تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بنے، ایسے ہی مولوی قاسم میری زبان ہے۔ جو معارف میرے دل پر وارد ہوتے ہیں، اللہ ان کو مولوی قاسم کی زبان اور قلم سے ادا کروا دیتے ہیں۔

چنانچہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب مناظرۂ شاہ جہاں پور میں حصہ لیا تو تمام مذاہب باطلہ کا بطلان انہوں نے ثابت کر دیا اور اسلام کی حقانیت ثابت کر دی۔ جب حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کامیابی کا علم مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو ہوا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ شاگرد نے پوچھا کہ اس کامیابی پر آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں؟ کہا کہ ہاں لگتا ہے کہ اب ہمارا دوست ہم سے جدا ہو جائے گا، ان کو اللہ نے جس کام کے لیے پیدا کیا تھا کہ دنیا میں اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنا، انہوں نے دنیا میں اس کو ثابت کر دکھایا۔ اسی سال حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہو گئی۔

اللہ رب العزت نے حضرت مولانا قاسم نانوتوی کو ایسی علمی شان عطا فرمائی تھی۔

اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سائیں توکل شاہ انبالوی مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے میں نے رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو مسجد نبوی میں مسند افتاء کے اوپر بیٹھے دیکھا ہے۔ ایسی فقاہت اللہ نے عطا فرمائی تھی۔ اور میاں عبد الرحیم ولائتی رحمۃ اللہ علیہ صاحب الکشف بزرگ تھے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مولانا رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا اس شخص کا قلم عرش الٰہی کو دیکھ کر چلتا ہے۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی شان:

چنانچہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کا کشف بڑا معروف تھا، صاحب کشف بزرگ تھے۔ اتنا کشف تھا کہ حضرت عبد الحی ملکی رحمۃ اللہ علیہ جن کا بڑا علمی مقام تھا، موطا امام مالک پر انہوں نے حاشیہ لکھا، شرح وقایہ پر انہوں نے حاشیہ لکھا۔ وہ مولانا فضل الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لیے آئے تو راستے میں قصر نماز پڑھنے میں کوئی غلطی کر لی تو مولانا فضل الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے جب مصافحہ کیا تو فرمایا کہ اتنے بڑے عالم بنے پھرتے ہو اور تم نے راستے میں قصر نماز میں یہ غلطی کر لی، اور انہوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا۔ ایسا کشف اللہ نے عطا فرمایا تھا۔ صاحب تفسیرِ حقانی مولانا فضل الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کو ملنے کے لیے آئے تو حضرت نے فرمایا کہ بتاؤ جمل اور ابل کا معنیٰ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: اونٹ۔ تو حضرت نے فرمایا: دیکھو جمل کا معنیٰ ہوتا ہے موٹا رسا اور ابل کا معنیٰ ہوتا ہے بادل۔ کیونکہ مفسرین نے اس کا ترجمہ بادل بھی کیا۔

﴿اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ﴾ (الغاشیہ:۱۷)

مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ یہ حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور اکابرینِ علما دیوبند میں سے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے حدیث میں بڑا اعلیٰ مقام عطا

فرمایا تھا۔ انہوں نے بخاری شریف پر حاشیہ لکھا، جب ابھی لکھ رہے تھے تو مولانا فضل الرحمن رحمۃ اللہ علیہ ملنے کے لیے آئے تو حضرت نے فرمایا کہ مولانا حاشیے میں فلاں جگہ پر کیا لکھا؟ دیکھا تو وہاں کتابت کی غلطی تھی۔ ایسا کشف اللہ نے حضرت مولانا فضل الرحمن مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کو عطا کیا تھا۔

چنانچہ ایک مرتبہ ان کا خادم حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو ملنے کے لیے آیا تو رخصت ہوتے ہوئے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اپنے پیر کو کہنا کہ خلقِ محمدی کو اختیار کریں اور ضبط سے کام لیں، اس لیے کہ مولانا فضل الرحمن مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ آنے والے کو ڈانٹتے بہت تھے۔ جیسے لوگ کہتے ہیں نا بڑے جلالی ہیں تو طبیعت ذرا ان کی ایسی تھی۔ تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے خادم کو کہا کہ اپنے پیر کو کہنا کہ وہ خلقِ محمدی اختیار کریں اور ضبط سے کام لیں، وہ جب ملنے آئے تو مولانا فضل الرحمن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اچھا تم ان سے مل کر آئے تو انہوں نے کہا کیا تھا؟ کشف ہو گیا۔ اس نے کہا کہ انہوں نے کہا تھا: ''پیر سے کہنا کہ خلق محمدی اختیار کریں''۔ کہنے لگے کہ دراصل میرے پاس جو آتے ہیں یہ اصلاح کے لیے نہیں آتے یہ تو تعویذ گنڈے کے لیے آتے ہیں، اس لیے میں ان کی اصلاح کے لیے ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہوں۔ اور میں اس صاحبزادے جیسا ظرف کہاں سے لاؤں؟۔ یعنی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کیا کہ میں اِس صاحبزادے جیسا ظرف کہاں سے لاؤں، وہ سمندر کے سمندر پی کر بیٹھا ہے اور ڈکار بھی نہیں لیتا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی شان کیا تھی؟

ہماری نظر میں وہ قطب الارشاد تھے۔ قطب لا ارشاد جو ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بلا واسطہ یا بلواسطہ دین کے ہر شعبے کا کام لیتے ہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا کی علمی خدمات:

اب ذرا سنیے! حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے چار خلفا تھے۔

ان میں سے پہلے خلیفہ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ تو اللہ نے ان سے دین کی دعوت کا کام لیا دنیا میں۔ یہ دعوت دین کا ایک شعبہ ہے۔

﴿وَيَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ﴾

اور دوسرا شعبہ تزکیہ۔ چنانچہ حضرت کے دوسرے خلیفہ شاہ عبد الرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ تو اللہ نے حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے تزکیہ کا کام لیا۔ شروع میں حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ اپنی جماعتوں کو تزکیہ کے لیے رائے پور بھیجا کرتے تھے تو ”ویزکیھم“ کا کام بھی ان سے لیا۔

”وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ“

یہ تیسرا شعبہ، کتاب کا علم سکھانا۔ تو ان کے خلیفہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ جن کے خلیفہ تھے شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ آپ بتائیں اللہ نے ان سے ”و یعلمھم الکتاب“ کا کام لیا کہ نہیں لیا؟ آج دنیا کے اندر اگر قرآن پاک کے بعد کوئی کتاب زیادہ پڑھی جاتی ہے تو وہ فضائل اعمال کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فیض جاری فرما دیا۔

چوتھا شعبہ ہے:

وَالْحِكْمَةَ

حکمت سے اقامت دین کرنا۔ تو ان کے خلفاء میں ایک حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اب بتائیں اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے اقامت دین کا کام لیا کہ نہیں لیا؟

تو حضرت رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ قطب الارشاد تھے۔ اللہ رب العزت نے دین کے تمام شعبوں میں ان سے کام لیا۔ یہ لوگ کون تھے؟ علمائے دیوبند کے اکابر تھے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔ پھر دیکھیے! حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مجددِ ملت، اللہ نے ان سے علم کا بھی کام لیا اور تزکیہ اور تصفیہ کا بھی۔ علم کے بارے میں دنیا میں دو ہزار کتابیں ان کے نام سے موجود ہیں۔ ایک آدمی نے فہرست بنائی تھی تو انہوں نے چھبیس سو کتابوں کی فہرست دی تھی۔ لیکن کتابوں سے اور کتابیں جب بن گئیں ان کو نکال دیں تو دو ہزار کتابیں انہوں نے لکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے علم کا کام لیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے تزکیہ کا کام بھی لیا۔ اللہ کی شان دیکھیں! آج پاکستان میں اتنے بڑے بڑے مدارس ہیں، ان میں سے اکثر مدارس ان کے شاگردوں کے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ان کے خلیفہ تھے، انہوں نے دارالعلوم کراچی کی بنیاد رکھی۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ ان کے خلیفہ، انہوں نے بنوری ٹاؤن کی بنیاد رکھی۔

یہاں پنجاب میں جامعہ اشرفیہ ان کے خلیفہ حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بنیاد رکھی۔

ملتان کے اندر خیر المدارس بڑا مدرسہ ہے، ان کے شاگرد تھے حضرت خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، انہوں نے اس کی بنیاد رکھی۔

یہ بڑے بڑے علم کے چشمے جو آج اس ملک میں ہیں تو یہ فیض کن کی وجہ سے پھیل رہا ہے، ان کی وجہ سے پھیل رہا ہے۔

پھر جو باقی کام تھا اللہ نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے پورا کروا دیا۔ ایک طرف تو

فرنگی کو ملک سے نکالنے کی محنت کر رہے تھے، جلسوں میں تقاریر کیا کرتے تھے، دوسری طرف رات کے وقت مدرسہ میں آتے تھے اور بخاری شریف کا درس دیتے تھے۔ اور دیکھو! بڑے بڑے مدارس ان کے شاگردوں نے بنائے۔ چنانچہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم ہمارے سر کا سایہ، وفاق المدارس کے صدر، آج انہوں نے اتنا بڑا مدرسہ بنایا ہے، جامعہ فاروقیہ ہمارے اکابر کا پودا لگا ہوا ہے۔

پھر آگے دیکھیے! پنجاب کے اندر جامعہ مدنیہ، حضرت مولانا محمد میاں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے ان کا قائم کردہ ہے۔ اور اگر سرحد میں دیکھو تو دار العلوم حقانیہ ہے حضرت مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی ان کے خلیفہ تھے، ہمارے حضرت مولانا عبد المالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی انہوں نسبت پائی۔

تربیتی مجالس کا مقصد:

تو معلوم ہوا کہ جتنا علم کا فیض آگے چلا یہ ان لوگوں سے چلا جنہوں نے علم بھی سیکھا اور مشائخ کی صحبت میں بھی رہے جہاں انہوں نے عمل کرنا بھی سیکھا۔ تو تربیتی مجالس کا مقصد ہی یہی ہے کہ اس چیز کو ذہن میں ڈالا جائے کہ ہم نے علم تو حاصل کر لیا تحصیلِ علم کی منزل طے ہو گئی اب استعمالِ علم پر ہمیں قدم بڑھانے کی ضرورت ہے۔ تو علم کو استعمال بھی کریں اور تقویٰ کی زندگی اپنائیں تاکہ اللہ علم کا فیض جاری کرنے کے لیے ہمیں قبول فرمالے۔ اس میں محنت کرنی پڑتی ہے، یہ آسان کام نہیں ہے، جن لوگوں نے دین کا کام کیا۔ سبحان اللہ وقت کے مجدد بنے۔

علما کی نظر میں مجددین امت:

چنانچہ ہمارے اکابر علمائے دیوبند میں وقت کے مجدد پیدا ہوئے ہیں۔ علمانے

لکھا ہے کہ مجدد ایک شخص بھی ہوسکتا ہے اور ایک جماعت بھی ہوسکتی ہے۔ اللہ ان سے تجدیدی کام لے لیتے ہیں۔

(۱) پہلی صدی ہجری میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ پہلی صدی کے مجدد تھے۔

(۲) دوسری صدی میں امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ۔ انہوں نے اصولِ فقہ ترتیب دی، فقہ کی تدوین فرمائی، تو یہ مجدد تھے۔

(۳) تیسری صدی کے مجدد امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ۔ نے علمِ کلام کے اصول لکھے۔

(۴) چوتھی صدی میں قاضی ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر میں آپ ان کا نام اکثر پڑھیں گے۔

(۵) پانچویں صدی میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ۔ تصوف کے امام۔

(۶) چھٹی صدی میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ۔ فلسفہ کے امام۔

(۷) ساتویں صدی میں حافظ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ۔ بڑے رجال الحدیث میں سے تھے۔

(۸) آٹھویں صدی میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، سراج الدین بلقینی رحمۃ اللہ علیہ، زین الدین عراقی۔ حدیث کے رجال۔

(۹) نویں صدی میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ۔ اللہ نے ان کو حدیث اور تفسیر دونوں کا علم دیا جلالین میں ان کا حصہ۔

(۱۰) دسویں صدی میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ۔ انہوں نے جمع الاکبر لکھی، مرقاۃ لکھی شرح مشکوٰۃ اور جمع الوسائل۔ شمائلِ ترمذی کے اوپر ایک کتاب عجیب لکھی۔

(۱۱) گیارہویں صدی میں امامِ ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔ انہوں نے دینِ اکبری

کی جڑیں کاٹ کے رکھ دیں، سنت کا اجرا فرما دیا۔

(۱۲) بارہویں صدی میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

یہ شاہ ولی اللہ برصغیر کے وہ بزرگ ہیں جن کو جامع الاسانید کہا جاتا ہے۔ جتنی بھی سندیں ہیں علمائے دیوبند کی ہوں، بریلوی کی ہوں یا غیر مقلدین کی ہوں، عجیب بات ہے کہ سب جا کر وہاں رکتی ہیں، پھر ان سے آگے علامہ ابو صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتی ہیں۔

(۱۳) تیرہویں صدی میں ہمارے سلسلہ عالیہ کے بزرگ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ یہ وہ بزرگ ہیں جو حضرت مولانا خالد کردی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور علامہ خالد کردی کے مرید علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

تجدیدی کام کیسے ہوا؟ اس زمانے میں مختلف علاقوں کے نواب ہوتے تھے، آپ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا کے نام پڑھ کر دیکھ لیجیے، ہر نواب کے ساتھ ان کے خلفا میں سے کوئی نا کوئی ایک خلیفہ موجود تھے جنہوں نے ان کی ریاست کے اندر دین کے احکام کا اجرا کیا ہوا تھا۔ تو نوابوں کو جو دین پر رکھا تھا وہ حضرت کے خلفا نے رکھا ہوا تھا۔ اس لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ان کو تیرہویں صدی کا مجدد لکھا ہے۔

(۱۴) اور چودہویں صدی میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جن سے آج اس صدی میں اللہ نے اپنے دین کا کام لیا۔

تو ہمارے اکابر رجال العلم بھی تھے اور باطن کی نعمت کے حامل بھی تھے۔ اس لیے آج علمائے دیوبند کا فیض اللہ نے پوری دنیا کے اندر پھیلایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اقامت دین کے لیے ان بزرگوں سے کیسا کام لیا۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی باکمال شخصیت:

چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، جن کو اسیر مالٹا کہتے ہیں۔ان کی عبادت ان کی تواضع ان کی تدریس اور ان کی اقامتِ دین کی کوششیں ہر چیز عجیب ہے۔

ایک آدمی ملنے کے لیے آیا کہ جی میں نے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے ملنا ہے۔کہا اندر آجائیں تو ملاقات ہو جاتی ہے،خود ان کو رسیو کیا، مہمان خانے میں بٹھایا، کھانا لے کر آئے، پانی دیا۔اس نے کہا کہ جی شیخ الہند صاحب سے ملنا ہے۔فرمایا: جی ملاقات ہو جاتی ہے، تھوڑا آرام کر لیجیے، لٹا دیا، پھر اس نے دیکھا تو وہی بھائی پاؤں دبانے بیٹھا ہے، سوچتا ہے یہ تو گھر کا خادم ہے، یہ مجھے ان کاموں میں مصروف کر رہا ہے، ملنے نہیں دے رہا۔اس نے کہا: بھئی! آپ مجھے شیخ الہند سے ملاتے کیوں نہیں؟ جب مہمان کو کھانا کھلا دیا پاؤں دبا دیے تو فرمایا بھئی! اگر تو محمود الحسن سے ملنا ہے تو وہ میرا نام ہے، پتہ نہیں شیخ الہند صاحب کون ہیں؟ عاجزی کی انتہا دیکھیے۔

رمضان المبارک میں پوری رات تراویح میں گزارتے تھے۔گھر کی عورتوں نے قاری صاحب کو پیغام بھجوایا کہ حضرت کی طبیعت کمزور ہے، کھاتے بھی کم ہیں، درمیان میں ایک دن کا وقفہ ہی دے دو۔تو قاری صاحب نے بہانہ بنایا کہ حضرت! آج میں تھکا ہوا ہوں تراویح تو پڑھوں گا مگر رات بھر کا قیام نہیں کر سکوں گا۔تو حضرت دوسرے کی تکلیف کا بڑا لحاظ رکھتے تھے، انہوں نے کہا: ہاں ہاں بالکل ٹھیک ہے، قاری صاحب آپ آرام کیجیے۔جب تراویح پڑھ لی تو فرمایا کہ آپ میرے کمرے میں میرے بستر پر جا کر سوئیں۔زبردستی قاری صاحب کو اپنے بستر پر سلایا۔قاری صاحب نے کہا کہ میں لیٹا، اندھیرا کر دیا، تھوڑی دیر بعد دیکھا تو کوئی میرے پاؤں دبا رہا ہے۔اٹھ کر دیکھا تو میرے شیخ، میرے پیر، میرے استاد، شیخ الہند میرے

پاؤں دبا رہے ہیں۔ حضرت! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ تو فرمایا: قاری صاحب آپ تھک گئے تھے، میں نے کہا کہ میں ذرا آپ کے پاؤں دبا دوں، آپ کی تھکاوٹ دور ہو جائے گی۔ اس نے کہا: حضرت پاؤں ہی دبانے ہیں تو چلیں میں آپ کو قیام میں نماز پڑھا دیتا ہوں۔ پوری رات پھر قیام کے اندر گزار دی۔ یہ عبادت، یہ علم، یہ تواضع، یہ تقویٰ تھا۔

اقامتِ دین کی کوششیں دیکھیے کہ جب وفات ہوئی تو غسل کرنے والے نے دیکھا کہ کمر کے اوپر زخموں کے نشان تھے۔ سمجھ نہ آئی کہ یہ کیا ہوا ہے؟ جب حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو اس وقت اس نے ان سے کہا کہ گھر والوں کو بھی پتہ نہیں کہ یہ نشان کیسے ہیں، ہمیں بھی کسی کو نہیں پتہ یہ کس وجہ سے ہیں؟ کوئی بیماری تھی یا چوٹ لگی تھی یا کیا وجہ تھی؟ تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ حضرت! کیا ہوا؟ فرمایا: میرے شیخ نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ یہ راز ہے زندگی بھر کسی کے سامنے تم نہیں کہہ سکتے۔ تو میں نے زندگی بھر زبان نہیں کھولی، اب وہ دنیا سے چلے گئے ہیں، اب میں بتاتا ہوں جب ہم مالٹا میں تھے، کالے پانی میں تو فرنگیوں نے حضرت کو کہا کہ اگر تم ہماری حمایت کے دو لفظ کہہ دو تو ہم تمہاری اس قید کو ختم کر دیں گے اور اگر نہیں کہو گے تو ہم تمہیں اذیت ناک سزا دیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ نہیں میں نہیں کہہ سکتا۔ چنانچہ ان کو سزائیں دی گئیں حتیٰ کہ وہ وقت بھی آیا جب آگ کے انگاروں پر حضرت کو لٹایا گیا اور کہا گیا کہ یہ الفاظ کہیں، حضرت نے پھر بھی نہ کہے۔ انگریز کہتے تھے کہ دو لفظ کہنے پر ہم آپ کو آزاد کر دیں گے، حضرت جواب میں فرماتے تھے کہ تم میرے جسم سے جان تو نکال سکتے ہو میرے دل سے ایمان کو نہیں نکال سکتے۔ اور پھر رات کو حضرت اپنے کمرے میں آتے تو تکلیف اتنی ہوتی تھی کہ لیٹ کر سو یا نہیں

جاتا تھا تب میں اور دوسرے جو احباب تھے ہم حضرت سے کہتے: حضرت! دین کے اندر حیلے کی بھی تو اجازت ہے، آخر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الحیل لکھی ہے تو آپ بھی کوئی ذو معنی لفظ کہہ دیں تاکہ یہ تکلیف ختم ہو جائے۔ حضرت نے یہ بات سنی، میری طرف دیکھ کر کہا: حسین احمد! کیا سمجھتے ہو میں تکلیف کی وجہ سے ان کی پسند کی کوئی بات کر دوں گا، ہرگز ایسا نہیں، میں روحانی بیٹا ہوں حضرت بلال کا...... میں روحانی بیٹا ہوں حضرت خباب کا...... میں روحانی بیٹا ہوں امام مالک کا، امام اعظم کا، امام احمد بن حنبل کا...... میں روحانی بیٹا ہوں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا، آخری عمر میں جن کے دونوں ہاتھ کاٹ دیے تھے...... میں روحانی بیٹا ہوں ان حضرات کا یاد رکھنا یہ لوگ میرے جسم سے جان نکال سکتے ہیں یہ میرے دل سے ایمان کو نہیں نکال سکتے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پھر ایک اور بات سنائی کہ درمیان میں جب فرنگی نے دیکھا کہ یہ مانتا ہی نہیں تو اس نے پھانسی کا حکم جاری کر دیا۔ تو حضرت کے چہرے پر خوف اور آنسو رکتے ہی نہ تھے، بڑی عجیب ڈر کی کیفیت تھی۔ ہم سے دیکھا نہیں جاتا تھا کہ رو رہے ہیں اور خوف زدہ ہیں۔ ہم اپنے دلوں میں حیران ہوتے کہ پھانسی کا حکم ہے تو اچھا ہے جان چھوٹ جائے گی منزل مل جائے گی، مگر حضرت کیوں اتنا پریشان ہیں؟ کہنے لگے: ایک دن ہم سب شاگردوں نے مل کر کہا کہ حضرت! اگر پھانسی کا حکم ہوا تو کیا ہوا یہ آپ کو پھانسی دے دیں گے اس تکلیف سے تو نجات مل جائے گی اور دین کی خاطر قربانی دینے والوں میں آپ کا شمار ہو جائے گا۔ جب یہ بات کہی تو اس وقت شیخ الہند نے میری طرف دیکھا، فرمانے لگے: حسین احمد میں پھانسی سے نہیں ڈر رہا، میں اللہ کی بے نیازی سے ڈر رہا ہوں۔ وہ پروردگار کبھی کبھی بندے کی جان بھی لے لیتا ہے اور اس کو قبول بھی نہیں کیا کرتا۔ مجھے یہ خوف دل میں ہے، اللہ بندے کی

جان بھی لے لیتا ہے اور کبھی قبول بھی نہیں کیا کرتا، مجھے اللہ کی شانِ بے نیازی سے ڈر لگتا ہے، یہ ہمارے اکابر تھے۔

کفر ناچا جن کے آگے بار بارتگنی کا ناچ
جس طرح جلتے توے پر ناچ کرتا ہے سپنج
ان میں قاسم ہو کہ انور شاہ محمود الحسن
سب کے دل تھے دردمند اور سب کی فطرت ارجمند

((اُولٰئِكَ اٰبَائِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِهِمْ))

یہ ہمارے اکابر تھے جن کی روحانی اولاد آج آپ کے ہاں بیٹھے ہیں ان اکابر کی زندگیوں کو سامنے رکھتے ہوئے آج ارادہ کر لیجیے کہ جو ہم نے سیکھا آج کے بعد ہم اس کو زندگی میں اپنائیں گے، سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک شریعت اور سنت کے مطابق اپنی زندگی کو بنائیں گے اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے، اور یہاں سے خالی نہ لوٹائے۔ آمین۔

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

﴿اِنْ اَوْلِیَاؤُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ (انفال:۳۴)

تقویٰ کا خصوصی اہتمام

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 18 جولائی 2010ء بروز اتوار ۵ شعبان، ۱۴۳۱ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: خصوصی تربیتی مجالس برائے علماء و طلباء (تیسری مجلس)

اقتباس

تو تقوای سے دنیا کی زندگی میں بھی آسانیاں اور آخرت میں بھی آسانیاں۔ آج کسی بندے کو کہیں کہ بھئی! میں تمہاری فلاں ملک کے کسی بڑے سے ملاقات کروادیتا ہوں، کام آسان ہو جائیں گے تو وہ خوشی سے پھولا نہیں سمائے گا۔ اب یہاں پروردگارِ عالم فرما رہے ہیں کہ تم یہ کام کرلو تو تمہارے کاموں کو میں سنواروں گا۔ عجیب بات ہے کہ یہ بات ہمیں سمجھ کیوں نہیں آتی؟ تقوای بہترین زندگی گزارنے کا سب سے آسان ترین طریقہ ہے، اللہ نے اس کو اوجھل کر دیا ہے۔ ظاہر میں لگتا ہے کہ بہت کچھ چھوڑنا پڑے گا اور حقیقت میں جتنا چھوڑتے ہیں، پروردگار اس سے زیادہ لوٹاتا ہے۔ چھوڑتے ہم تھوڑا ہیں وہ پروردگار واپس زیادہ لوٹاتا ہے۔

﴿وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (البقرۃ: ۲۶۱)

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

تقوای کا خصوصی اہتمام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿اَلَا اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ﴾ (یونس:۶۲۔۶۳)

و قال اللہ تعالیٰ فی مقام آخر:

﴿اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ (انفال:۳۴)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

تقوای کے معانی:

تقوی کا لفظ اردو زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے، حدیث پاک میں بھی استعمال ہوا اور قرآن مجید میں بھی استعمال ہوا۔ اس کا معنی ہے بچنا، حفاظت، پرہیزگاری۔

تقوای کی لغوی تحقیق:

یہ اصل میں باب افتعال کا اسم مصدر ہے اور اس کا مجرد ''وَقٰی یَقِیْ وِقَایَۃً'' ہے۔ وقایہ کا معنی ہے بچانا اور حفاظت کرنا۔ واق کا معنی ہے بچانے والا، جیسے قرآن

مجید میں استعمال ہو۔

﴿فَمَا لَهُمْ مِّنْ وَّاقٍ﴾

عرب لوگوں میں مثل مشہور ہے:

"اَلْوِقَايَةُ خَيْرٌ مِّنَ الْعِلَاجِ"

"کہ پرہیز علاج سے بہتر ہے"

سورۃ فاتحہ کا ایک نام سورۃ واقیہ ہے، بچانے والی۔ کیونکہ یہ شدائد، مصائب اورامراض سے بچاتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے تھے کہ جب کسی موقعہ پر جنگ تیز ہوتی تھی اور دشمن کا زور ہوتا تھا۔

اِتَّقَيْنَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ

"جب جنگ شدید ہو جاتی تھی تو ہم اپنے آپ کو نبی علیہ السلام کی اوٹ میں آ کر بچاتے تھے۔"

تقویٰ کی اصطلاحی تعریف:

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ شریعت میں تقویٰ کہتے ہیں:

"حِفْظُ النَّفْسِ عَمَّا يُؤْثِمُ وَ ذَالِكَ بِتَرْكِ الْمَحْظُوْرِ وَ يَتِمُّ ذَالِكَ بِتَرْكِ بَعْضِ الْمُبَاحَاتِ"

"اپنے نفس کو گناہوں سے بچانا اور یہ ممنوع چیزوں سے بچنے سے ہوتا ہے اور حرام سے بچنے کے لیے بعض اوقات مباحات کو بھی چھوڑنا پڑ جاتا ہے۔"

○ علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''طاعت میں تقویٰ سے مراد اخلاص ہے اور معصیت میں تقویٰ سے مراد بچنا ہے۔''

○ یہ بھی کہا گیا:

اَلْمُحَافَظَةُ عَلٰى آدَابِ الشَّرْعِيَّةِ وَ مُجَانَبَةُ كُلِّ مَايُبْعِدُ الْمَرْءَ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى

''تقوای کہتے ہیں آداب شریعت کی حفاظت کرنا اور وہ چیز جو انسان کو اللہ سے دور کرتی ہے، اس سے بچنا ہے۔''

○ یہ بھی کہا گیا:

هِيَ تَرْكُ حَظُوْظِ النَّفْسِ وَ مَبَانِيَةِ الْهَوٰى

''یہ نفسانی لذات اور خواہشات کے مقامات کو چھوڑنا ہے''

○ یہ بھی کہا گیا:

هِيَ تَجَنُّبُ عَنْ كُلِّ مَا يُؤَثِّمُ مِنْ فِعْلٍ اَوْ تَرْكٍ

''یہ ہے بچنا ہر گناہ سے کسی بھی کام کے کرنے میں یا چھوڑنے میں''

○ مالک بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تقوای ہے:

رَضِيَ بِالْقَضَاءِ وَ صَبَرَ عَلَى الْبَلَاءِ وَ شُكْرَ عَلَى النَّعْمَاءِ

''قضا پر راضی رہنا بلاء پر صبر کرنا اللہ رب العزت کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا''

تو آسان اس کی تفسیر یہ ہے کہ

''ہر وہ چیز جو بندے کو اللہ سے دور کردے اس سے بچنے کا نام تقویٰ ہے''

تقویٰ کے متعلق سلف صالحین کے اقوال

امت کے اکابرین نے اس کی تفسیر خوب اچھی طرح بتائی تا کہ ہر بندہ سمجھ لے کہ تقویٰ ہوتا کیا ہے؟

○ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَلتَّقْوٰی ھِیَ الْخَوْفُ مِنَ الْجَلِیْلِ وَ الْعَمَلُ بِالتَّنْزِیْلِ وَ الْقَنَاعَۃُ بِالْقَلِیْلِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِیَوْمِ الرَّحِیْلِ

''یعنی اللہ رب العزت سے ڈرنا اور قرآن مجید کے مطابق اعمال کو اپنانا تھوڑے پر قناعت کر لینا اور موت کی تیاری کرنا۔''

○ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اَصْلُ التَّقْوٰی اَنْ یَّجْعَلَ الْعَبْدُ بَیْنَہٗ وَ بَیْنَ مَا یَخَافُہٗ وَ یَحْذَرُہٗ وِقَایَۃً تَقِیْہِ مِنْہُ

''کہ جو چیزیں انسان کو اللہ سے دور کر دیتی ہیں بندہ اپنے اور ان چیزوں کے درمیان ایک آڑ بنالے، کرنا بھی چاہے تو نہ کر سکے۔''

○ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

مَاالتَّقْوٰی ؟ '' تقویٰ کیا ہے؟''

فرمایا:

اَمَا تَلَقّٰی طَرِیْقًا فِیْہِ شَوْکًا ؟

''کیا کبھی ایسے راستے سے گزرے ہیں جس میں کانٹے ہوں؟''

قَالَ نَعَمْ '' کہا کہ ہاں''

فَقَالَ مَاذَا فَعَلْتَ؟ " تو کیسے گزرا؟"

فرمایا:

أُشَمِّرُ عَنْ سَاقِيْ وَ أَنْظُرُ إِلٰى مَوَاضِعِ قَدَمِيْ وَ أُقَدِّمُ قَدَمًا وَ أُؤَخِّرُ أُخْرٰى مَخَافَةَ أَنْ تُصِيْبَنِيْ شَوْكَةٌ

"جب میں گزرنے لگا تو میں نے اپنے تہبند کو چادر کو ذرا اوپر اٹھالیا اور پھر جہاں قدم رکھتا تھا اس جگہ کو دیکھتا تھا، ایک قدم اٹھاتا تھا جہاں کانٹے نہیں ہوتے تھے اور دوسرا قدم ہٹاتا تھا جہاں کانٹے ہو جاتے تھے"

کانٹے والی جگہ تھی تو بچ کر گزرا، ڈر تھا کہ کوئی کانٹا چبھ نہ جائے۔

قَالَ أُبَيُّ ابْنُ كَعْبٍ : تِلْكَ التَّقْوٰى

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسی کا نام تقوٰی ہے۔

- سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

إِنَّمَا سُمُّوْ مُتَّقِيْنَ لِأَنَّهُمْ اِتَّقَوْا مَالَا يُتَّقٰى

"کہ متقیوں کو متقی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بچتے ہیں ان چیزوں سے جن سے عام لوگ نہیں بچتے۔"

- ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ متقی وہ ہے:

اَلْمُتَّقِيُّ الَّذِيْ يَتَّقِي الشِّرْكَ وَالْكَبَائِرَ وَ الْفَوَاحِشَ

"جو شرک سے، کبائر سے، اور فواحش سے، بچے وہ متقی ہوتا ہے"

- ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَلتَّقْوٰى اَنْ لَّا يَرٰى (نَفْسَهٗ) خَيْرًا مِنْ اَحَدٍ

"تقوٰی یہ ہے کہ اپنے کو کسی سے بہتر نہ سمجھے"

اپنے آپ کو ہر ایک سے کم تر سمجھے۔

- کسی بزرگ نے یہ بھی کہا:

اَلْمُتَّقِیُّ مَنْ؟ اِذَا قَالَ قَالَ لِلّٰہِ، اِذَا سَکَتَ سَکَتَ لِلّٰہِ، وَاِذَا ذَکَرَ ذَکَرَ لِلّٰہِ تَعَالٰی

''متقی وہ ہوتا ہے کہ جب وہ بولے تو اللہ کے لیے بولے، چپ ہو تو اللہ کے لیے چپ ہو، اگر وہ ذکر کرے تو اللہ ہی کا تذکرہ کرے۔''

- اور ایک بزرگ نے عجیب الفاظ میں بات فرمائی کہ تقویٰ یہ ہے:

اَنْ تُزَیِّنَ سِرَّكَ لِلْحَقِّ کَمَا تُزَیِّنُ عَلَانِیَتَكَ لِلْخَلْقِ

''کہ تو اپنے باطن کو اللہ کے لیے اس طرح مزین کرلے جیسے تو اپنے ظاہر کو مخلوق کے لیے مزین کرتا ہے۔''

اب مخلوق سے ملنا ہو تیاری کر کے جاتے ہیں، کسی میٹنگ میں جانا ہو تو لوگ نہا دھو کر، اچھے کپڑے پہن کر، صاف ستھرے ہو کر جاتے ہیں کہ جی میری میٹنگ فلاں صاحب کے ساتھ ہے۔ شادی کے موقع پر میاں نے بیوی سے ملنا ہوتا ہے تو دیکھو کیسے بن سنور کے ملتے ہیں۔ انٹرویو کے لیے جانا ہو تو کیسے صاف ستھرے ہو کر جاتے ہیں۔ تو جیسے مخلوق کے ملاپ اور ملاقات کے لیے اپنے آپ کو اس طرح تیار کرتے ہیں تو ایسے ہی اپنے آپ کو اللہ کی ملاقات کے لیے تیار کرنا، اس کا نام تقویٰ ہے

مخلوق تو چہرے پر میل دیکھے کہ منہ دھویا ہوا نہیں تو انٹرویو میں فیل کر دیتی ہے، قیامت میں تو اللہ تعالیٰ نے دل کو دیکھنا ہے۔ اس نے دل پر میل دیکھی تو کیا بنے گا؟

- ہمارے حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''تقوای کہتے ہیں ہر اس چیز کو چھوڑ دینا کہ جس کے اختیار کرنے سے تعلق باللہ میں فرق آ جائے۔''

○ مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

''کہ دل کی تمناؤں کو اگر مجسم کر دیں اور طشتری میں ڈال کے سر بازار پھرائیں تو کوئی تمنا بھی ایسی نہ ہو جس پر شرمندگی ہو۔''

○ اب اس کو مزید سمجھنا ہے تو ہم اپنے روزمرہ کے کئی کاموں میں اسے سمجھ سکتے ہیں۔ کئی کام ہیں جن میں ہم بڑے محتاط ہوتے ہیں۔ او جی! تم دس مہمانوں کا کھانا زیادہ بنا دینا موقع پر شرمندگی نہ ہو، او جی! ایئرپورٹ پر میں نے سات بجے پہنچنا ہے To be on the safe side (احتیاطاً) پونے سات بجے پہنچ جاؤں گا۔ یعنی محتاط کام کرتے ہیں۔ تو گویا:

''دین میں ٹو بی اون دی سیف سائڈ (محتاط) ہو کر زندگی گزارنا، اس کا نام تقویٰ ہے کہ گناہ کے قریب بھی بندہ نہ پھٹکے۔''

تقوای کے ثمرات

اس تقویٰ کے بہت سے فوائد ہیں، آیئے قرآن مجید کی طرف ذرا توجہ کیجیے۔

ہر مشکل سے نجات:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں متقی بندے کی ہر مشکل کو آسانی میں بدل دیتا ہوں اس کو ہر مشکل سے نکال دیتا ہوں۔

﴿ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً ﴾ (طلاق:۲)

''جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اسکے لیے نجات کی صورت نکال دیتا ہے''

آپ کسی مصیبت میں پھنس گئے، کسی پریشانی میں پھنس گئے، دشمنوں کے حسد میں پھنس گئے تو نکلنے کی آسان طریقہ تقوٰی اختیار کرنا ہے۔

دنیادار لوگ بھی وعدہ کر کے نبھاتے ہیں یہ تو پروردگار کا وعدہ ہے۔ سبحان اللہ

﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ (سورۃ النسآء:۲۲)

''اس سے سچی کس کی بات ہو سکتی ہے''

کشائشِ رزق:

دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ رزق ایسی جگہ سے دیتے ہیں جہاں سے انسان کو گمان ہی نہیں ہوتا

﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (طلاق:۳)

''رزق ایسی طرف سے ملتا ہے کہ بندے کو گمان ہی نہیں ہوتا''

ہمارے ایک قریبی دوست ہیں، نیک آدمی ہیں، انہوں نے اپنے بہن کی شادی کی، کچھ کام گھر کے سمیٹے تو ایک لاکھ درہم ان کے اوپر قرضہ چڑھ گیا۔ سن کے ہمیں بھی حیرانی ہوئی کہ بوجھ میں دب گئے۔ اللہ کی شان، نیک بندے تھے، چھ مہینے میں سب قرضہ اتر گیا۔ پوچھا: کیسے ہوا؟ کہنے لگے مجھے بھی نہیں پتہ، ایسا کام اللہ نے بھیج دیا جس کی توقع ہی نہیں تھی اور اس سے اللہ نے چھ مہینے میں ایک لاکھ درہم نفع میں دے دیے۔ اللہ نکالتا ہے پریشانیوں سے، یہ جو ہم پریشانیوں میں گرے پڑے رہتے ہیں اصل میں اس کے پیچھے ہمارے عملوں کی کوتاہی ہوتی ہے۔ اگر تقوٰی اختیار کریں گے تو پروردگارِ عالم ہماری حفاظت فرمائیں گے۔

کاموں میں آسانی:

دوسری آیت مبارکہ:

﴿ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ﴾ (طلاق:۴)

''جو تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے کاموں میں آسانی پیدا کردیں گے''

کتنے لوگ ہیں جو کہتے ہیں جی کام توڑ ہی نہیں چڑھتے، ہوتے ہوتے رہ جاتے ہیں۔ کتنی دفعہ ایک ڈیل کرنے کی کوشش کی فائنل اسباب پیدا ہی نہیں ہوتے، بچی کے رشتے دیکھنے آتے ہیں دیکھ کر خوش ہو کے جاتے ہیں دوبارہ ان کی طرف سے کوئی جواب ہی نہیں ملتا۔ یہ جو کام ہمارے مکمل نہیں ہوتے، مشکلات ہوتی ہیں، کام اٹکے رہتے ہیں، یہ تقویٰ نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

﴿ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ﴾ (سورۃ الطلاق:۴)

''جو تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے کاموں میں آسانی پیدا کردیں گے''

متقی لوگ ہیں جن کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر پریشانی سے نجات دے گا۔

﴿ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴾ (مریم:۷۲)

''پھر ہم متقی لوگوں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو ایسے ہی جہنم میں چھوڑیں گے''

تو تقویٰ سے دنیا کی زندگی میں بھی آسانیاں اور آخرت میں بھی آسانیاں۔ آج کسی بندے کو کہیں کہ بھئی! میں تمہاری فلاں ملک کے کسی بڑے سے ملاقات کروا دیتا ہوں، کام آسان ہو جائیں گے تو وہ خوشی سے پھولا نہیں سمائے گا۔ اب یہاں پروردگارِ عالم فرما رہے ہیں کہ تم یہ کام کرلو تو تمہارے کاموں کو میں سنواروں گا۔ عجیب بات ہے کہ یہ بات ہمیں سمجھ کیوں نہیں آتی؟ تقویٰ بہترین زندگی گزارنے کا سب سے آسان ترین طریقہ ہے، اللہ نے اس کو اوجھل کردیا ہے۔ ظاہر میں لگتا ہے کہ بہت کچھ چھوڑنا پڑے گا اور حقیقت میں جتنا چھوڑتے ہیں، پروردگار اس سے

زیادہ لوٹاتا ہے۔ چھوڑتے ہم تھوڑا ہیں وہ پروردگار واپس زیادہ لوٹاتا ہے، وہ تو ایک کے بدلے دس دیتا ہے، یہ کم از کم ورنہ ستر گنا اور اس سے بھی زیادہ۔

﴿وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (البقرۃ:۲۶۱)

عطائے بصیرت:

ایک فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تقوے کی وجہ سے انسان کو بصیرت عطا فرماتے ہیں۔ اچھے برے کی تمیز ہو جاتی ہے، اپنے پرائے کی پہچان ہو جاتی ہے۔

﴿اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾ (الانفال:۲۹)

''اگر تم تقوای اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں فرقان عطا کرے گا''

فرقان ایک نور ہے جو قوت فارقہ یعنی فرق بین الحق والباطل کی تمیز عطا کرتا ہے۔

محبوبیتِ الٰہی:

تقوای کا ایک اور فائدہ کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت فرماتے ہیں، آج بیوی سنورتی ہے کہ خاوند کو اچھی لگوں کیا بندہ نہیں سنور سکتا کہ میں اپنے پروردگار کو اچھا لگوں؟ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (آل عمران:۷۶)

''اللہ تعالیٰ متقی لوگوں سے محبت فرماتا ہے''

تو تقوای اختیار کیجیے، اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جایئے۔

معیتِ الٰہی:

اور متقیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت ہوتی ہے۔

﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (توبہ:۳۶)

''جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہیں''

رزق میں برکت:

پھر متقی بندے کے رزق میں اللہ تعالیٰ برکت دیتے ہیں۔ رزق میں جب برکت ہو تو غیر کی محتاجی نہیں رہتی فرمایا:

﴿ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ (الاعراف:۹۶)

''اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقوای کو اختیار کرتے تو ہم آسمان اور زمین سے ان کے لیے برکتوں کے دروازے کھول دیتے''

تو ایسے لوگوں کو بشارت

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ○ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ (سورۃ یونس:۶۳،۶۴)

''وہ جو ایمان لائے اور تقوای اختیار کیا ان کے لیے دنیا میں بھی بشارت اور آخرت میں بھی''

زیادتِ علم:

ایک فائدہ اور کہ تقوای اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ علم میں پختگی گہرائی اور زیادتِ علم عطا فرماتے ہیں۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهَ﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۸۲)

''تقوای اختیار کرو اللہ تمہیں علم سکھائے گا۔''

قبولیتِ اعمال:

متقی بندے کے عمل اللہ کے ہاں جلدی قبول ہوتے ہیں۔

﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (المائدہ:۲۷)

''بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں ہی سے قبول کرتا ہے''

اللہ کی پشت پناہی:

بہت سارے لوگ اس وجہ سے پریشان ہوتے ہیں کہ کسی نے کچھ کر دیا ہے۔ بچے پر اثر ہو گیا، بیوی پر اثر ہو گیا، بیٹی پر اثر ہو گیا، جادو کر دیا، آسیب ہو گیا۔ او جی! کسی نے کچھ کر دیا ہے، کاروبار کسی نے باندھ دیا ہے اور کئی کہتے ہیں کہ جی حاسدین تو ہمیں چلنے ہی نہیں دیتے۔ اگر ایسی صورت حال ہے تو عملیات والوں کے پیچھے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن مجید کا عمل کریں، اللہ مخالفوں سے، حاسدوں سے حفاظت فرمائیں گے۔

دو کام کرنے پڑتے ہیں، فرمایا:

﴿اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾ (آل عمران:۱۲۰)

''اگر تم صبر اختیار کرو اور تقویٰ اختیار کرو ان کے مکر تمہیں ضرر نہیں پہنچا سکتے''

اس سے بڑی گارنٹی اور کیا ہو سکتی ہے، کسی کے پیچھے جانے کی انسان کو ضرورت نہیں ہے۔ صبر اور تقویٰ اختیار کرنے سے اللہ بندے کی پشت پناہی فرماتے ہیں، کوئی اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔

ایک سبق آموز حکایت:

ایک حکایت لکھی ہے۔ دو دوست تھے، ایک کا نام اچھا سمجھ لیں اور دوسرے

دوست کا نام بگڑا سمجھ لیں۔ تو اچھے میں بہت اچھائی تھی اور بگڑے میں بڑی برائی تھی۔ وہ اچھائی سے بعض نہیں آتا تھا، یہ برائی سے بعض نہیں آتا تھا۔ تھے یہ بچپن کے دوست۔ اچھا ہر وقت اس کے ساتھ اچھائی کرتا اور بگڑا ہمیشہ اس کے ساتھ برائی کرتا۔ اللہ کی شان، ایک دفعہ یہ اچھا کہیں گیا اور واپسی پر ایک ٹیلہ تھا، وہاں سو گیا۔ دو پرندے آپس میں گفتگو کر رہے تھے، جب اللہ چاہتے ہیں تو پرندوں کی بولیوں کا علم دے دیتے ہیں۔

﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ ﴾ (نمل:۱۶)

''اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے''

تو اللہ نے اسے بولی سمجھا دی۔ پرندے بول رہے تھے، ایک نے کہا کہ تم کوئی خبر سناؤ، کہنے لگا: بادشاہ کی بیٹی آج کل بیمار ہے اور اس کی بیماری کا علاج یہ جڑی بوٹی ہے جو یہ ساتھ لگی ہوئی ہے۔ تو دوسرے پرندے نے کہا کہ تم خبر سناؤ! اس نے کہا کہ جس ٹیلے پر ہم بیٹھے ہیں اس کے نیچے خزانہ چھپا ہوا ہے۔ اس بندے نے یہ سن لیا۔ اس نے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ واقعی بادشاہ کی بیٹی بیمار تھی۔ اس نے کہا کہ میں اس کا علاج کرتا ہوں، چنانچہ وہ جڑی بوٹی لا کے دی اور بادشاہ کی بیٹی کو اللہ نے شفا دے دی۔ بادشاہ نے بڑا انعام دیا، جب انعام لے کر یہ جا رہا تھا تو راستے میں بگڑا بھی مل گیا۔ اس نے پوچھا کہ تمہیں یہ سب کچھ کیسے ملا؟ اس نے کہا کہ جی آپ کی برکت سے۔ یعنی آپ سے تنگ ہو کر میں باہر نکلا تھا، اللہ نے سبب بنا دیا۔ اس نے کہا: اچھا! میری وجہ سے تو بادشاہ سے کہو کہ مجھے بھی کوئی اچھا عہدہ دے دے۔ اس نے سفارش کر دی، بادشاہ نے اسے اچھا عہدہ دے دیا۔

اب تھا تو یہ بگڑا ہوا، ایک دن کہیں بات چلی تو بگڑے نے کہا کہ جی وہ بادشاہ کی

بیٹی کا علاج کرنے والا وہ تو ہمارے گاؤں کا میراثی ہے۔ کسی نیچی ذات کا نام لیا۔ یہ بات بادشاہ تک پہنچ گئی بادشاہ کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے کہا کہ تم اتنے معمولی آدمی ہو تم نے تو میری بیٹی کے اوپر تجربہ کیا؟ اگر دوائی ٹھیک نہ بیٹھتی تو نقصان ہوتا۔ حکم دیا کہ اس کو سزا دو۔ لو جی اچھے صاحب گرفتار ہو گئے۔ بادشاہ نے کہا کہ تم معمولی آدمی تم نے جرأت کیسے کی میرے گھر کے کسی بندے کی علاج کرنے کی، یہاں تو بڑے بڑے اطباء کو قدم رکھنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اچھے نے کہا کہ بادشاہ سلامت! ویسے تو میں بڑا حکیم تھا لوگوں پر ظاہر نہیں کرتا تھا۔ بادشاہ نے کہا ثبوت دو؟ اس نے کہا میرے ساتھ چلو! وہ لے گیا، اس نے جا کر ٹیلہ دکھایا کہ اس کو کھدواؤ! اس کے نیچے میرا خزانہ ہے۔ اللہ کی شان کہ خزانہ نکل آیا۔ تو بادشاہ نے اس نوجوان سے اپنی بیٹی کی شادی ہی کر دی کہ یہ اتنا امیر ہے، خزانے کا مالک ہے۔

اب جب پھر اس کی بگڑے سے ملاقات ہوئی تو بتایا کہ بادشاہ کی بیٹی سے شادی ہو گئی۔ بگڑے نے کہا اچھا! بادشاہ کی بیٹی سے شادی! اس نے کہا کہ آپ ہی کی برکت ہے۔ تو یہ حکایت اس لیے سنائی کہ آپ کو کسی سے الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صبر کریں اور تقویٰ اختیار کریں حاسدین آپ کے لیے جو کریں گے اللہ ان کے لیے کافی ہو جائے گا، الٹی بھی اللہ سیدھی کر دے گا، کیا پریشانی کی بات ہے؟ ہمارے کرنے کا کام یہ ہے۔ ﴿اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا﴾ اگر تم صبر کرو تقویٰ اختیار کرو ﴿لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾ (ال عمران: ۱۲۰) ان کے مکر تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے۔ اسے کہتے ہیں:

''جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے''

تقوٰی کی اہمیت

اس تقویٰ کی بہت اہمیت ہے اس لیے کہ یہ ولایت کے لیے شرط ہے۔

ارشاد فرمایا:

﴿اِنْ اَوْلِيَآءُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ (سورۃ الانفال: ۳۴)

''اللہ کے ولی وہی ہوتے ہیں جو متقی ہوتے ہیں''

تقویٰ کے بغیر ولایت کی سیڑھی پر قدم ہی نہیں رکھ سکتا۔

قرآن میں تقوٰی کا پیغام:

اس لیے قرآن اور حدیث میں تقویٰ کے اختیار کرنے کی بہت ترغیب دی گئی۔ اور یہ بھی سمجھ لیں کہ یہ نہیں کہ صرف ہمیں کہا گیا بلکہ پوری امتوں کو یہی پیغام دیا گیا۔ ذرا قرآن مجید میں نظر ڈال لیں۔

نوح علیہ السلام کا پیغام بھی یہی تھا، فرمایا:

﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ (شعرا: ...)

تو ھود علیہ السلام کا پیغام بھی یہی:

﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ (شعرا: ۱۲۴)

صالح علیہ السلام کا پیغام بھی یہی:

﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ (شعرا: ...)

شعیب علیہ السلام کا بھی پیغام یہی:

﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ (شعرا: ۱۷۷)

الیاس علیہ السلام کا بھی پیغام یہی:

﴿وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ o اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖ اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾

(صافات:۱۲۳۔۱۲۴)

موسیٰ علیہ السلام کا بھی پیغام یہی:

﴿قَوْمَ فِرْعَوْنَ اَلَا یَتَّقُوْنَ﴾ (شعرا:۱۱)

اور پھر ہمیں بھی یہی حکم ہوا۔ سنیے قرآن عظیم الشان! اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ مِن قَبْلِکُمْ وَاِیَّاکُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰہَ﴾ (النساء:۱۳۱)

کیا شاہانہ انداز میں خطاب فرماتے ہیں:

تم سے پہلے والوں کو یہی نصیحت وصیت کی اور تمہیں بھی یہی کہتے ہیں کہ ﴿اَنِ اتَّقُوا اللّٰہَ﴾ تقویٰ اختیار کرو۔

جب بات کی اہمیت ہو تو بندہ ایک بات کو دو دفعہ کہتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کے ایک فقرے میں دو مرتبہ اتقوا اللہ اتقوا اللہ آیا ہے سنیے:

﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰہَ﴾ (الحشر:۱۸)

ایک ہی فقرہ ایک ہی آیت ہے اِتَّقُوْا اللّٰہَ اِتَّقُوْا اللّٰہ دو دفعہ آیا ہے اور تقوی کی اہمیت کیسے بیان کی جائے؟

متقی سب سے زیادہ سعادت مند:

چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

سَادَۃُ النَّاسِ فِی الدُّنْیَا الْاَسْخِیَآءُ وَ سَادَۃُ النَّاسِ فِی الْآخِرَۃِ

اَلْاَتْقِیَاءُ

''کہ دنیا میں سب سے زیادہ سعادت مند سخی ہوتے ہیں اور قیامت کے دن اتقیاء سب سے زیادہ سعادت مند ہوں گے۔

متقی سب سے زیادہ شرف والے:

اسی تقویٰ کی وجہ سے انسان اللہ کے قریب ہوتا ہے ورنہ تو سب انسان ایک جیسے ہیں۔

سُئِلَ سَیِّدُنَا عِیْسٰی علیہ السلام اَیُّ النَّاسِ اَشْرَفُ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ انسانوں میں سب سے زیادہ اشرف کون ہے؟

وَ قَبَضَ قَبْضَتَیْنِ مِنْ تُرَابٍ

''انہوں نے دو مٹھیاں مٹی کی اٹھائیں''

پھر فرمایا:

اَیُّ ھٰذَیْنِ اَشْرَفُ؟

''ان دو میں سے کون سی بہتر ہے؟''

انہوں نے کہا کہ جی دونوں ایک جیسی ہیں۔

ثُمَّ جَمَعَھُمَا وَ طَرَحَھَا وَ قَالَ

''پھر انہوں نے جمع کر کے اس کو پھینک دیا''

اور کہا:

((اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ مِنْ تُرَابٍ وَ اَکْرَمُھُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ))

''بندے سارے کے سارے مٹی سے پیدا ہوئے، ان میں سے اللہ کے ہاں

عزت والا وہ ہے جو متقی ہے۔''

قرآن مجید میں کھول کر بتا دیا گیا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَّأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَّ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات:۱۳)

''اے انسانو! ہم نے تمہیں مرد وعورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کرسکو، بے شک اللہ نے نزدیک تم میں سے وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے''

اولیاء کا مکالمہ:

چنانچہ ایک مرتبہ بہت سارے اولیا ایک محفل میں جمع تھے، آپس میں مکالمہ کر رہے تھے کہ نجات کس سے ہوتی ہے؟ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

مَا نَجَا مَنْ نَجىٰ إِلَّا بِصِدْقِ اللَّجَا

جس نے بھی نجات پائی جب بھی نجات پائی تو سچ کی وجہ سے نجات پائی ان کے ذہن میں یہ آیت مبارکہ تھی؟

﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ﴾ (توبہ:۱۱۸)

''اور ان تینوں پر جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں بھی ان پر دوبھر ہوگئیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ کے سوا کہیں پناہ نہیں''

کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے سچ بولا تو اللہ رب العزت نے نجات دے دی۔

جریری رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں تھے، انہوں نے کہا:

مَا نَجِی مَنْ نَجِی اِلَّا بِمُرَاعَاةِ الْوَفَا

''جو انسان بھی نجات پایا جب بھی پایا وہ وفا کی رعایت کرنے کی وجہ سے پایا''

کیونکہ اللہ رب العزت نے فرمایا میں نجات دوں گا:

﴿الَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ﴾ (الرعد:۲۰)

''(عقلمند ہیں) وہ لوگ جو عہد کو پورا کرتے ہیں اور معاہدے کو توڑتے نہیں''

عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے، وہ فرمانے لگے:

مَانَجَا مَنْ نَجیٰ اِلَّا بِتَحْقِیْقِ الْحَیَا

''جس نے بھی نجات پائی جب بھی پائی حیا کی وجہ سے پائی۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی﴾ (علق:۲۰)

''کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہیں ہیں''

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں تھے، فرمانے لگے:

مَانَجَا مَنْ نَجیٰ اِلَّا بِالْحُکْمِ وَ الْقَضَا

''جس نے بھی نجات پائی جب بھی پائی اللہ کے حکم اور قضا کی وجہ سے پائی''

ان کے ذہن میں آیت تھی:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰی﴾ (الانبیاء:۱۰۱)

''جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے بھلائی مقرر ہو چکی وہ اس سے دور رکھے جائیں گے''

کہ اس آیت میں دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تقدیر میں لکھا تھا کہ ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا۔

ایک بزرگ نے کہا کہ ہاں اللہ سنتا ہے نجات دے دیتا ہے۔

''مَا نَجَا مَنْ نَجیٰ اِلَّا بِمَا سَبَقَ لَهٗ مِنَ الْاِجْتِبَاءِ ''

اللہ فرماتے ہیں:

﴿ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴾ (سورۃ الانعام:۸۷)

''اور انہیں برگزیدہ بنایا اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت کی''

تو رویم رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے تھے انہوں نے آخری بات کہی، فرمانے لگے:

مَانَجَا مَنْ نَجیٰ اِلَّا بِصِدْقِ التُّقٰى

''جس نے نجات پائی جب بھی نجات پائی تقوٰی کی وجہ سے''

اور آیت پڑھی:

﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ (سورۃ مریم:۷۲)

''پھر ہم نے نجات دی ان لوگوں کو جنہوں نے تقوٰی اختیار کیا''

تو دیکھیے! اللہ رب العزت بندے کو ایسے نجات عطا فرماتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ تقوٰی کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

اولیاء کی قدرِ مشترک:

جہاں اور بہت سارے فائدے ہیں سب سے بڑا فائدہ یہ کہ اللہ اس بندے سے محبت فرماتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ بندہ اللہ کا محبوب ہو جاتا ہے، اللہ کا ولی ہو جاتا ہے۔

اسی لیے ہمارے سلف صالحین اور جتنے بھی اسلاف تھے سب کے سب متقی تھے۔ یہ وہ صفت ہے جو سب میں مشترک تھی۔ کچھ صفات ایسی ہوتی ہیں جو قدرِ مشترک ہوتی ہیں۔ جیسے حیا کہ سارے سارے کے سارے اولیا وہ لوگ جن کے اندر حیا تھی، آج تک کوئی بے حیا انسان اللہ کا ولی نہیں بن سکا۔ اسی طرح تقویٰ بھی مشترک ہے، جو بھی ولی بنا اس میں تقوای والی زندگی موجود تھی۔

سلف صالحین کے تقوای واقعات

آپ کو اپنے اکابر کے تقوای کے بارے میں کچھ واقعات کو سناتے ہیں تا کہ تقوی کی حقیقت واضح ہو جائے کہ شریعت پر احتیاط کے ساتھ چلنا کہ غلطی نہ ہو جائے، گناہ نہ ہو جائے، اسے تقوای کہتے ہیں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کھانے میں احتیاط:

اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے، فرمایا کہ میں کئی مرتبہ گھر آتا ہوں بھوک لگی ہوتی ہے اور اپنے کمرے میں بستر پہ کھجور پڑی دیکھتا ہوں تو میں اس لیے اٹھا کر نہیں کھاتا کہ ممکن ہے یہ صدقہ کی کھجور پڑی ہوئی ہو اور میرے لیے صدقہ کھانا جائز نہیں، بھوک بھی ہے اور اپنے گھر کے بستر پر کھجور پڑی ہے تو گھر کے بندے کی ہوئی نا لیکن احتیاطاً نہیں کھائی، اس کو تقویٰ کہتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تقوای:

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تقوای میں اپنی مثال آپ تھے۔ ایک دفعہ بھوک لگی ہوئی تھی غلام نے کھجور دی کہ جی یہ کھالیں! لے کر کھالی، پھر پوچھا کہ بھئی! تمہیں ملی کہاں سے؟ اس نے کہا کہ جی میں زمانہ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کی تھی، ان لوگوں

کے اوپر میرا احسان تھا۔ میں نے ان کے قریب سے گزرا تو ان کے ہاں شادی تھی، تو انہوں نے مجھے کھانا دے دیا، یہ وہ ہے۔ فرمایا تو نے تو مجھے ہلاک کر دیا۔ اپنے حلق میں انگلی ڈالی اور قے کر دی تاکہ جو پیٹ میں گیا ہے نکل جائے۔ پھر خیال ہوا کہ ابھی نہیں نکلا تو بہت سارا پانی پی لیا، حد سے زیادہ پانی پی کے پھر انگلی ڈال کر قے کی تو پانی کے ساتھ پورا امیدہ خالی ہو گیا۔ یہ کیوں کیا کہ میں نہیں چاہتا کہ شبہ والا کوئی لقمہ میرے بدن کا جزو بن جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تقویٰ:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس خوش بو آئی، تقسیم کرنی تھی، بیوی نے کہا کہ میں کر دیتی ہوں۔ تو ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اجازت نہ دی۔ اس نے کہا کہ میں احتیاط کروں گی کہ میرے ہاتھ کو خوشبو نہ لگے، فرمایا: تقسیم کرتے ہوئے خوشبو تو سونگھو گی وہ بھی خوشبو کا استعمال ہو گا، اس لیے میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری بیوی بیت المال کی خوشبو تقسیم کرے، اتنا فائدہ بھی نہیں چاہتا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے تقسیم کیا اور تھوڑی سی خوشبو لگ گئی، جب تک عمر رضی اللہ عنہ نے رگڑ رگڑ کے خوشبو کو صاف نہیں کر لیا اس کی جان نہیں چھوڑی۔ احتیاط اور یہی تقویٰ تمام صحابہ کی زندگی میں تھا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ:

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اسی پر عمل کیا، ایک مرتبہ بیت المال سے خوشبو تقسیم ہونی تھی تو آپ وہاں کھڑے ہوئے تھے کہ لوگ بے مصرف تقسیم نہ کریں۔ مگر لوگوں نے دیکھا کہ آپ نے ناک پکڑی ہوئی ہے، کسی نے کہا کہ ناک کیوں پکڑی ہوئی ہے۔ فرمایا: خوشبو کا استعمال تو سونگھنا ہی تو ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تقویٰ شاید کھانے پینے میں ہوتا ہے، یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ کھانا پینا تو زندگی کا ایک عمل ہے، تقویٰ کا تعلق زندگی کے تمام اعمال کے ساتھ ہے۔ معاملات میں، معاشرت میں، لین دین میں، ہر چیز میں انسان محتاط زندگی گزارے۔ کوئی بات ایسی نہ کرے جو خلاف واقعہ ہو۔

حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ:

ہمارے سلسلہ کے ایک بزرگ تھے قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ فقہائے سبعہ مدینہ میں سے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کو اپنے گھر، اپنے حجرے میں پالا تھا۔ وہ ان کی مربیہ تھیں، اور فیض انہوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے پایا تھا۔ اپنے زمانے میں ان جیسا فقیہ اور متقی کوئی دوسرا نہیں تھا۔ محدثین نے یہ ان کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے۔ ایک اور بزرگ تھے سالم بن عبداللہ، وہ ان کے خالہ زاد بھائی تھے۔ وہ بھی بڑے متقی اور پرہیز گار تھے مگر علم میں ان کا اتنا بلند مقام نہیں تھا جتنا قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ ایک دیہاتی آ گیا اور پوچھنے لگا کہ آپ بڑے عالم ہیں یا سالم بن عبداللہ؟ تو حضرت نے فرمایا کہ سالم بن عبداللہ کا مکان وہ ہے۔ تو علما نے لکھا ہے کہ احتیاط دیکھو کہ بات کو ٹال دیا۔ اگر کہتے کہ میرا مقام بڑا ہے تو یہ عجب ہوتا، یہ حرام ہے اور اگر کہتے کہ ان کا مقام اونچا ہے تو یہ جھوٹ ہوتا۔ نہ جھوٹ بولا نہ عجب کی بات کی دوسری لائن پر لگا دیا کہ صالح بن عبداللہ کا مکان وہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بات چیت میں بھی اتنی احتیاط کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تقویٰ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ایک

مرتبہ انہوں نے کہہ دیا کہ وہ بہت زیادہ خرچ کر دیتی ہیں۔ان کے خرچ کر دینے کا حال یہ تھا کہ ایک دفعہ روزے سے تھیں، بیس ہزار کے قریب درہم کہیں سے ملے مدینہ کی بیواؤں کو یتیموں کو بلایا اور سارے خرچ کر دیے۔ اسی نشست میں باندی آئی، اس نے کہا کہ آپ کا روزہ ہے اور افطاری کے لیے کوئی چیز نہیں، کچھ مجھے دے دیں تا کہ افطاری کے لیے کچھ بندوبست کرلوں۔ فرمایا: تو نے پہلے نہ بتایا۔ اتنا زیادہ خرچ کرتی تھیں جو ملتا تھا خرچ کر دیتی تھیں۔تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ کچھ اپنے لیے بھی رکھا کریں تو محبت میں انہوں کہہ دیا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بہت زیادہ خرچ کرتی ہیں۔ جب آپ نے سنا تو کہا کہ اچھا میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بات ہی نہیں کروں گی، قسم کھالی۔تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی جان پہ بن گئی، بڑی منت سماجت کی۔ آخر ماں تھی، خالہ تھی، تو دل موم ہو گیا۔

اب قسم کا کفارہ ہوتا ہے دس بندوں کو کھانا کھلانا یا ایک غلام آزاد کرنا۔تو ام المومنین رضی اللہ عنہا نے کفارے میں ایک غلام آزاد کرنے پر اکتفا نہ کیا، وقت کے ساتھ ساتھ پچاس غلام آزاد کر دیے پچاس غلام آزاد کیے۔ پھر رویا کرتی تھیں کہ کاش میں قسم نہ کھاتی۔اس کو کہتے ہیں تقویٰ کہ ایک کے بدلے پچاس آزاد کر دیے، ڈر پھر بھی دل میں ہے کہ میں اللہ کو کیا جواب دوں گی؟

شریعت کا پردہ تو زندوں سے ہوتا ہے کوئی عورت قبر کے سامنے سے گزرے تو پردہ تو کوئی نہیں۔تقویٰ دیکھیے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی علیہ السلام کے پردہ فرمانے کے بعد حجرے میں چلی جاتی تھیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جب وہاں تدفین ہوئی تو چلی جاتی تھیں کہ ان کے والد ہیں۔ جب عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین ہوئی تو ام المومنین رضی اللہ عنہا نے کمرے میں بغیر پردے کے جانا چھوڑ دیا۔کتنا حیا ہوگا، کتنا تقویٰ ہو

گا۔ ام المومنین کی طہارت اور پاکیزگی کو اگر سمجھنا ہو تو نبی علیہ السلام کی پاکیزگی کا تصور کرو کیونکہ پروردگارِ عالم کا قانون ہے ﴿اَلطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ﴾ (سورۃ النور:۲۶) پاکیزہ مردوں کے لیے پاکیزہ عورتیں۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا تقویٰ:

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا خاتونِ جنت، طبیعت کے اندر اتنا حیا اور اتنی پاکیزگی تھی کہ بات چلی کہ سب سے بہتر عورت کون؟ کسی نے کہا کہ یہ، کسی نے کہا کہ یہ، علی رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا تو خاتونِ جنت نے جواب دیا کہ سب سے بہترین عورت وہ ہے جو نہ خود غیر محرم کو دیکھے اور نہ غیر محرم اس کو دیکھ سکے۔ چنانچہ وفات سے پہلے وصیت فرمائی کہ جب میری روح نکل جائے تو میرا جنازہ رات کو اٹھانا اور فرمایا کہ کھجور کی ٹہنیاں لے کر میری چارپائی کے اوپر اوٹ بنا لینا تاکہ غیر محرم مرد کو جسامت کا پتہ نہ چل سکے۔ اس کو تقویٰ کہتے ہیں۔

چنانچہ ازواج مطہرات امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے بارے میں عام لکھا ہے کہ جب گھر کے صحن میں بیٹھتی تھیں تو دیوار کی طرف رخ کر کے بیٹھتی تھیں، عادتاً دیوار کی طرف رخ کر کے بیٹھتی تھیں کہ دروازہ کھلنے سے اچانک کسی کی نظر نہ پڑ سکے، نہ کسی کی نظر ہم پہ پڑے نہ ہماری نظر کسی پر پڑے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تقویٰ کے واقعات:

آیئے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے تقویٰ کے بارے میں کچھ واقعات سن لیجیے۔

◎ ایک مرتبہ انہوں نے ایک باندی خریدنے کا ارادہ کیا۔ دس سال تک اپنے

شاگردوں سے مشورہ کرتے رہے کہ کس علاقے کی باندی سو فیصد شریعت کے مطابق جائز ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شرط پوری نہ ہوتی ہو اور وہ باندی بن گئی ہو۔ دس سال تک چھان پھٹک کرتے رہے، باندی خریدنے کے لیے۔

◎ حسن بن صالح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی فقیہ کو ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ اپنی جان اور علم کی حفاظت کرتے نہیں دیکھا۔

◎ یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار محدثین اور فقہا سے علم سیکھا میں نے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسا پرہیز گار کوئی نہیں دیکھا۔

◎ علی بن حفص رحمۃ اللہ علیہ ان کے شاگردوں میں سے تھے، وہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے میرے والد کے ساتھ شراکت پہ تجارت کی ہوئی تھی کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پیسہ ڈال دیا تھا۔ اور میرے والد نے کہا تھا کہ میں بیچنے کا کام سنبھال لوں گا۔ کیونکہ حضرت ہر وقت علمی کام مصروف ہوتے تھے ایک کپڑا ایسا تھا جس پر کچھ تھوڑا سا داغ تھا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دیکھو جب یہ بیچنا ہو تو گاہک کو پہلے دکھانا کہ یہ عیب ہے، بعد میں قیمت طے کرنا۔ اس نے کہا کہ جی بہت اچھا۔ اللہ کی شان! ایک دن انہوں نے کپڑا بیچا اور یہ بات ذہن میں نہ رہی، بھول گئے۔ امام صاحب نے دکان میں چکر لگایا، پوچھا کہ بھائی فلاں کپڑا نظر نہیں آ رہا۔ کہا کہ جی بیچ دیا۔ عیب بتا دیا تھا؟ جی بھول گیا۔ امام صاحب نے پورے مال کی رقم تیس ہزار دینار بنتی تھی، اللہ کی راہ میں صدقہ کر دی اور اس کو تجارت سے بھی الگ کر دیا۔ آج کے دور میں واقعی ان کاموں کو سمجھنا بالکل مشکل کام ہے۔

◎ کپڑے کی دکان تھی، عصر کے بعد بند کر دیتے تھے۔ کسی نے کہا کہ جی عصر کے بعد بند کر دیتے ہیں۔ فرمایا ہاں۔ ایک دن ظہر کے بعد بند کر کے آ گئے۔ کسی نے کہا جی ظہر

کے بعد بند کر کے آ گئے؟ فرمایا آج آسمان پر بادل ہیں، روشنی پوری نہیں، گاہک کو کپڑے کی کوالٹی کا پتہ نہیں چلتا، میں نے دکان بند کر دی کہ کوئی گاہک کم قیمت کپڑے کو زائد قیمت کا سمجھ کے خرید کر نہ لے جائے۔ اس امت میں تجارت یا تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کر کے دکھائی یا پھر امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے۔ دیکھو تجارت یہ ہوتی ہے۔

◉ خارجہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے ایک شاگرد تھے حج پر جانے لگے، اس کی ایک باندی تھی بڑی خوبصورت تھی، اس نے کہا کہ حج پہ مجھے چار پانچ ماہ لگیں گے تو میں اس کو امام صاحب کے گھر چھوڑ دیتا ہوں، چھوڑ دیا، کہہ بھی دیا کہ جی کوئی کام وغیرہ ہو تو اس کو حکم دے دینا۔ چار مہینے کے بعد آئے تو کہنے لگے کہ جی میری باندی نے خدمت کیسی کی؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا۔ چار مہینے وہ کام کرنے والی گھر میں رہی لیکن امام صاحب نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا۔ وہ باندی کو گھر لے کر آیا، باندی سے پوچھا کہ بتا تو ان کے گھر رہی ہے امام صاحب کو کیسا پایا۔ اس نے قسم کھا کر کہا کہ اللہ کی قسم! میں نے زندگی میں ایسا پرہیز گار بندہ نہیں دیکھا۔

◉ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ایک نواب کے بیٹے تھے۔ تو نواب صاحب انہیں لے کر آئے کہ حضرت! میں ان کو آپ کا شاگرد بنانا چاہتا ہوں۔ حضرت نے دیکھا کہ بچہ ذہین وفطین ہے۔ تو فرمایا کہ ٹھیک ہے اسے میرے پاس بھیجا کرو لیکن اس کو کپڑے معمولی پہنایا کرو کہ خوبصورت بچہ ہے، لباس خوبصورت ہوگا تو فتنہ زیادہ ہوگا۔ تو شرط لگائی کہ اس کو معمولی لباس پہنایا کرو۔ محمد آتے رہے، حضرت ان کو پیٹھ کے پیچھے بٹھاتے تھے۔ بے ریش بچے کو سامنے بٹھا کے نہیں پڑھاتے تھے، پیٹھ پیچھے بٹھاتے تھے۔ ایک دن سبق پڑھانے لگے تو آگے دیوار تھی، اس پر جو سایہ پڑا تو دیکھا کہ بڑی بڑی

داڑھی ہے، حیران ہو کے پیچھے دیکھا۔ پہلی نظر وہ تھی جو نواب صاحب کے لانے پر پڑی تھی، اب دوسری نظر یہ تھی کہ جب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی داڑھی آچکی تھی اور وہ بالغ ہو چکے تھے، امرد پر نظر نہیں ڈالی۔

◉ وقیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کی کپڑے کی دکان تھی۔ ایک عورت کپڑا لائی کہ جی میں بیچنے آئی ہوں، آپ خرید لیں۔ فرمایا کتنے میں بیچو گی؟ اس نے کہا کہ ایک سو درہم میں۔ فرمایا: نہیں کپڑا زیادہ قیمتی ہے، یہ خریدنے والا کہہ رہا ہے۔ آج ہماری خریدنے کی ٹیکنیک ہوتی ہے کہ کہتے ہیں یہ کس کام کی چیز ہے، میں ہی خرید کے احسان کروں گا تیرے اوپر۔ (Marketing Technincs) سودے بازی کا فن اور (Negotiation Technics) گفتگو کا ہنر استعمال کرتے ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ زیادہ قیمتی ہے، اس نے کہا اچھا دوسو درہم دے دیں۔ فرمایا: قیمتی ہے۔ اس نے کہا کہ تین سو درہم دے دیں، فرمایا نہیں، قیمتی ہے۔ اس نے کہا: جی پھر چار سو درہم۔ فرمایا: گھر کے مرد کو لاؤ۔ گھر کے مرد کو لے کر آئی، امام صاحب نے اس کپڑے کو سو نہیں پانچ سو درہم کے بدلے میں خریدا۔ مومن تاجر ہو تو کتنا پیارا تاجر ہوتا ہے۔

◉ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر مجھے علم ضائع ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو میں کبھی فتویٰ نہ دیتا۔ پوچھنے والوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا بوجھ میرے سر پہ اور مزے لوگوں کے ہوتے ہیں، اتنا محتاط تھے۔ چنانچہ حاکمِ وقت نے بلایا اور کہا کہ آپ چیف جسٹس بنیں، فرمایا میں تو نہیں بنتا۔ اس نے کہا: اچھا ابو حنیفہ تم فتویٰ نہیں دیا کرو گے، ٹھیک ہے نہیں دوں گا، واپس آگئے۔ کئی دن گزرے گھر کی کسی عورت نے مسئلہ پوچھا کہ جی مسئلہ بتائیں، فرمایا کہ میرے بیٹے عمار سے

پوچھ لو۔ میں حاکم سے عہد کر چکا ہوں کہ میں فتویٰ نہیں دوں گا۔ وہاں نہ حاکم تھا نہ سننے والا، معاملہ تو خدا کے ساتھ تھا، لیکن قول دیا ہوا تھا، اس کا پاس تھا۔ اس کی برکت سے اللہ نے حاکم کے دل کو نرم کیا اور اس نے شرط ختم کر دی۔

◉ عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ بکریاں تھیں جو کسی نے لوٹیں تو وہ کوفہ کی بکریوں میں شامل کر دیں، خلط ملط ہو گئیں، پتہ نہیں چلتا تھا۔ امام صاحب نے لوگوں سے پوچھا کہ بکری کی زیادہ سے زیادہ عمر کتنی ہوتی ہے کسی نے کہا کہ سات سال۔ سات سال کے لیے امام صاحب نے بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا کہ کیا پتہ یہ وہ بکری ہو جو چوری کی تھی۔

◉ یزید بن ہارون روایت کرتے ہیں کہ آپ کے شاگرد یحییٰ بن زائدہ گلی میں سے جا رہے تھے۔ دیکھا کہ امام صاحب دھوپ میں کھڑے ہیں۔ کہا: حضرت! دوپہر کا وقت ہے، سخت دھوپ ہے، پسینے چھوٹ رہے ہیں، اس دیوار کے سائے میں آجائیں۔ فرمایا: اس مالک مکان کو میں نے قرضِ حسنہ دیا ہوا تھا، آج اس نے لوٹانے کا وعدہ کیا تھا، میں لینے آیا ہوں۔ میں اس کے مکان کے سائے میں کھڑا ہونا اپنے لیے اس کو سود سمجھتا ہوں، میں اتنا بھی فائدہ نہیں لینا چاہتا۔

علماء و مشائخ کے تقوای کے واقعات:

◉ ...... اور یہی بات آگے آپ کے شاگردوں کے اندر تھی۔ چنانچہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو حاکمِ وقت نے چیف جسٹس بنا دیا تھا۔ اور ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بے لاگ فیصلہ کرتے تھے، فریقین میں سے کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے، پوری زندگی گزار دی۔ جب موت کا وقت آیا تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں

میں آنسو تھے۔ شاگردوں نے پوچھا کہ حضرت! رو کیوں رہے ہیں؟ فرمایا: پوری زندگی میں نے کسی بندے کی رعایت نہیں کی، ایک مرتبہ مقدمہ آیا ایک طرف نصرانی تھا اور ایک طرف مسلمانوں کا بادشاہ ہارون رشید تھا۔ جب مقدمہ آیا تو میں نے اس مقدمے میں ہارون الرشید کو نصرانی کے ساتھ کھڑا کیا اور مقدمہ سننے کے بعد نصرانی کے حق میں فیصلہ دیا، مگر میرے دل میں اس وقت خیال اٹھا تھا کہ کاش یہ فیصلہ ہارون الرشید کے حق میں ہوتا۔ میں اس خیال پہ رو رہا ہوں کہ کہیں اللہ میرے اس خیال پر میری پکڑ نہ فرمالے۔ یعنی بادشاہ کو سامنے کھڑا کیا اور نصرانی کے حق میں فیصلہ بھی دیا مگر دل میں خیال آ گیا کہ کتنا اچھا ہوتا کہ ہارون الرشید کے حق میں ہوتا۔ فرمایا اس کی وجہ سے روتا ہوں کہ کہیں اللہ میری پکڑ نہ فرمادے۔

⊙ ......عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ایران کے شہر مرو میں رہتے تھے، کسی سفر میں شام چلے گئے۔ وہاں کسی سے قلم لے لیا، دینا بھول گئے اور واپس آ گئے۔ ایران آ کر خیال آیا کہ یہ قلم تو میں نے ادھار لیا تھا۔ پھر اس قلم کو لوٹانے کے لیے ایران سے شام کا دوبارہ سفر کیا اور قلم اس کو واپس کیا۔

⊙ ......محمد بن سیرین اور عون بن عبداللہ دونوں حضرات جا رہے تھے، راستے میں ایک جگہ بارش کا پانی کھڑا تھا، ابن سیرین آگے تھے انہوں نے دیکھا کہ کھجور کا تنا پڑا ہوا ہے، انہوں نے اس پر پاؤں رکھا اور گزر گئے، پھر عبداللہ آ کر کھڑے ہو گئے، جوتے اتارے اور پانی کے اندر سے گزرے۔ تو اس وقت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ آپ نے پاؤں کیوں گیلے کیے؟ فرمایا کہ یہ کھجور کا تنا مجھے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے راستے کی وجہ سے نہیں رکھا بلکہ کسی کا پڑا ہوا ہے اور اس کی اجازت نہیں تھی میں بغیر اجازت اس کے اوپر پاؤں کیسے رکھ لیتا۔ بغیر اجازت کسی کی چیز استعمال کرنے

سے اتنا پرہیز کرتے تھے۔آج تو مالِ غنیمت کی طرح سمجھتے ہیں، قربِ قیامت کی علامت میں سے ہے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قربِ قیامت کی یہ علامت ہے کہ جو لوگ امانت کو مالِ غنیمت کی طرح استعمال کریں گے۔

⊙......بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سفر میں تھے تو کپڑے دھوئے، اب لٹکانے کا مسئلہ آیا تو ساتھی نے کہا کہ جی یہ باغ کی دیوار ہے، یہاں لٹکا دیتا ہوں۔فرمایا: اجازت نہیں ہے، مالک کی اجازت کے بغیر کسی کی دیوار پر کپڑا کیسے ڈالیں؟ اس نے کہا کہ جی یہ گھاس ہے اس پر ڈال دیتا ہوں۔فرمایا: بھئی! یہ جانوروں کے چرنے کے لیے ہے ہم کپڑا ڈال کر اس کو ڈھانپ دیں گے تو ان کے حق میں کوتاہی ہو جائے گی۔تو کہا کہ جی درخت پر لٹکا دیتا ہوں، فرمایا: ہاں مگر چھوٹی ٹہنی پر نہ لٹکانا ٹوٹ نہ جائے، بڑی شاخ پہ لٹکانا تاکہ ٹوٹنے نہ پائے۔یہاں سے یہ سبق ملا کہ وہ بزرگ کوئی کام کرتے ہوئے ذہن میں ہر وقت یہ رکھتے تھے کہ کیا یہ جائز ہے؟ کیا ایسا تو نہیں کہ اس کام کے کرنے کی وجہ سے کوئی میرا گریبان پکڑنے والا بن جائے؟

⊙......چنانچہ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے تھے، ایک آدمی آیا کہ جی آپ نے امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کے درس حدیث میں میری سیاہی استعمال کی تھی، مجھے اس کا بدلہ دے دیں۔تو ایک دینار کی تھیلی پوری دے دی اور فرمایا: بھئی! یہ تھیلی لے لو مجھے معاف کر دو! قیامت کے دن تو مجھ سے مطالبہ نہ کرنا۔دوات استعمال کرنے کے بدلے دینار کی تھیلی دے دی تاکہ ادھر ہی کام سمیٹ لیں۔

⊙......ایک دفعہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو تین دن فاقہ رہا تین دن کے بعد تو حرام کھانا بھی جائز ہو جاتا ہے تو گھر والوں نے کہا کہ کسی سے قرض لے لیں۔قرض میں آٹا لے لیا۔اب گھر والوں نے جلدی سے آٹا گوندھا اور روٹی بنا کے سامنے رکھی کہ

کھائیں۔تو حضرت نے پوچھا کہ اس کو کہاں پکایا؟ انہوں نے کہا کہ آپ کے بیٹے صالح بن احمد اس کا الگ تندور تھا، وہ جل رہا تھا تو ہم نے روٹی جلدی میں وہیں لگا دی۔فرمایا: وہ سرکاری نوکری کرتا ہے، لہٰذا اس کے تندور کی آگ سے پکی ہوئی روٹی بھی میں نہیں کھاؤں گا، تین دن کے فاقے کے بعد روٹی کھانے سے انکار کر دیا۔

◉......ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گھی کے چالیس مٹکے تھے، ایک میں سے چوہا نکل آیا اور نکالنے والا بھول گیا کہ کون سا مٹکا تھا؟ فرمایا: اب چالیس کے چالیس اللہ کے راستے میں صدقہ کر دو میرے استعمال کے قابل نہیں ہیں۔

تمام تابعین میں سے جس کی زندگی کو آپ دیکھیں گے آپ کو تقویٰ کے یہ واقعات ایسے ہی نظر آئیں گے

عورتوں میں تقوای:

یہ تو مردوں کے واقعات تھے عورتوں کے اندر بھی تقویٰ کے عجیب وغریب واقعات ہیں، وہ بھی تقیہ نقیہ زندگی گزارتی تھیں۔

◉......چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے ہیں، ایک عورت آئی، کہنے لگی کہ جی میں چھت کے اوپر رات کو بیٹھ کے سوت کاتتی ہوں، اپنی گزراوقات کے لیے۔مسئلہ پوچھنے آئی ہوں؟ پوچھو مسئلہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ جی ایک رات چاند کی روشنی میں سوت کات رہی تھی کہ اچانک حاکمِ شہر اس گلی سے گزرا تو حاکم کے لوگوں نے روشنی کے لیے شمعیں اٹھائی ہوئی تھیں۔تو ماحول میں روشنی زیادہ ہوگئی تھی مجھے دھاگہ صاف نظر آنے لگ گیا، میں دھاگہ ڈالتی رہی، جب وہ گلی سے گزر گیا اور روشنی کم ہوگئی تو مجھے خیال آیا کہ میں نے تو حاکمِ شہر کی روشنی سے فائدہ اٹھالیا۔لہٰذا اس نے پوچھا کہ جتنا دھاگہ اس روشنی کے وقت میں کاتا وہ صدقہ کر دوں یا پوری رات میں جتنا کاتا وہ

صدقہ کردوں؟ امام صاحب نے کہا کہ ساری رات میں جتنا دھاگا کاتا وہ سارا صدقہ کردو۔ عورت چلی گئی۔ بیٹے نے کہا کہ ابا جان! یہ کیا فتویٰ دیا کہ پوری رات میں جتنا دھاگہ کاتا سب صدقہ۔ حضرت نے فرمایا کہ پہلے جا کر دیکھو کہ یہ کس گھر کی عورت ہے؟ وہ پیچھے چلا، پتہ چلا کہ وہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر داخل ہوئی، ان کی وہ بہن تھی۔ آ کے اس نے والد صاحب کو بتایا تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس گھر کی عورتوں کی یہی شان ہے کہ حرام سے بالکل پاک صاف مال استعمال کریں اور پوری رات کے مال کو اللہ کی راستے میں صدقہ کردیں۔ عورتیں اتنی متقی تھیں اس کو تقویٰ کہتے ہیں۔

⊙......آج دو عورتیں اگر سوکن ہوں تو بس ایک جنگ لگی ہوتی ہے۔ ایک کو دوسری میں اچھائی نظر نہیں آتی دوسری کو اس میں اچھائی نظر نہیں آتی، پوری زندگی یہ معاملہ چلتا ہے۔ جن عورتوں کے دلوں میں تقویٰ تھا، ان کا ایک واقعہ سن لیں تاکہ بات آگے بڑھائیں۔

ایک تاجر تھا، شادی کی زندگی گزار رہا تھا مگر کام ایسا تھا کہ اس کو اپنے مال کی خریداری کے لیے شہر جانا پڑتا تھا اور دو دو تین تین مہینے وہاں رہنا پڑتا تھا۔ جو لوگ اجناس کا کام کرتے ہیں، ان کو دیہاتوں میں جانا پڑتا ہے، وہاں خریداری کرنے کے لیے دو تین مہینے جو فصل کے ہوتے ہیں وہیں گزر جاتے ہیں۔ وہاں یہ شخص دو تین مہینے رہتا تو اسے یہ محسوس ہوا کہ مجھے اس جگہ پر گھر بنا لینا چاہیے تاکہ میں سکون کی زندگی گزار سکوں۔ گھر بنا لیا۔ گھر کے بعد گھر والی کا خیال آتا ہے، چنانچہ اس نے وہاں ایک اور نکاح کر لیا، لیکن اس نے ذہن میں یہ سوچا کہ میں اپنی پہلی بیوی کو نہیں بتاؤں گا کہ کہیں اس کا دل نہ دکھے۔ اور اس نے شادی سے پہلے ہی اس دوسری عورت سے

بات کرلی کہ بھائی میں نے رہنا وہاں ہے، سال کے تین مہینے کے لیے یہاں آنا ہے، اگر یہ شرط منظور ہے، اپنا حق دیتی ہو تو نکاح کرتا ہوں۔ اس نے کہا کہ ٹھیک ہے مجھے گھر مل رہا ہے، مجھے مال مل رہا ہے، مجھے خاوند کا سایہ مل رہا ہے، میں اس پر راضی۔ نکاح کرلیا۔ اب جب واپس گھر گئے تو بیوی بڑی سمجھدار تھی، نیکوکار بھی تھی، اس نے تھوڑی دیر میں پہچان لیا کہ بدلے بدلے میرے سرکار نظر آتے ہیں مگر چپ ہوگئی، کہا کچھ نہیں۔ وقت گزرتا گیا اور اس عورت کو یقین ہوتا گیا کہ معاملہ ہے کوئی۔ حتیٰ کہ اس نے ایک بڑھیا کو کہا کہ میں تمہیں اتنے پیسے دوں گی، جا اور وہاں جا کر ذرا خبر لا کہ معاملہ کیسا ہے؟ وہ بڑھیا گئی اور اس نے ایک دن میں معلومات کرلی کہ جناب کا گھر بھی ہے، نکاح بھی کیا ہوا ہے، گھر والی بھی ہے، تین مہینے یہاں گزارتا ہے اور واپس چلا جاتا ہے۔ اس نے آ کے بیوی کو بتا دیا۔ اب بیوی رنجیدہ تو ہوئی مگر خاموش ہوگئی۔

اللہ کی شان دیکھیں کہ سال گزرا دو گزرے، ایک دن اس تاجر کو ہارٹ اٹیک ہوا اور یہ اچانک فوت ہوگیا، تدفین ہوگئی۔ رشتے داروں نے کہا کہ وراثت تقسیم کرو تو میراث والوں نے اس عورت کا بھی حصہ نکالا، تو وراثت میں اس کو کئی بوریاں ملیں۔ اب جب اس کو بوریاں مل گئیں تو اس نے دل میں سوچا کہ بیوی میں اکیلی تو نہیں، مجھے تو معلوم ہوگیا کہ ایک اور بھی ہے، رشتے داروں میں سے کوئی نہیں جانتا، لہٰذا مجھے اس بیوی کا بھی حصہ نکالنا چاہیے۔ ذرا غور کریں کہ امانت کیا تھی؟ صداقت کیا تھی؟ تقویٰ کیا تھا؟ چنانچہ اس نے اپنے مال کے دو حصے کیے اور اس بڑھیا کو بلایا اور بلا کر کہا کہ دیکھو اس عورت کے پاس جاؤ جو میرے خاوند کی دوسری بیوی ہے اور یہ آدھا مال اس کو جا کر دے دو اور بتا دو کہ تمہارا خاوند فوت ہوگیا ہے، میں اس کے

بدلے تمہیں اتنی مزدوری دوں گی۔ بڑھیا نے وہ مال لیا اور دوسرے شہر پہنچی تو اس عورت کو جا کر اس کے خاوند کے مرنے کی خبر دی تو وہ رونے لگ گئی، غم ہوا۔ پھر اس نے کہا کہ یہ جو دو بوریاں ہیں، گٹو ہیں یہ سب دیناروں سے بھرے ہوئے ہیں یہ اس کی وراثت میں سے ہیں، آپ کا حصہ ہے، اس کی بیوی نے بھجوایا ہے۔ تو بڑی حیران ہوئی کہ اچھا کہ پہلی بیوی نے وراثت میں میرا حصہ نکال اکے مجھے بھجوایا ہے۔ تو اس نے اس عورت سے کہا کہ اس کو میری طرف سے بڑا شکریہ ادا کرنا اور جب واپس جاؤ تو یہ مال میری طرف سے اس پہلی کو دے دینا۔ اس نے کہا کیوں؟ کہنے لگی کہ وہ جب آخری مرتبہ یہاں سے جانے لگا تھا تو جانے سے ایک دن پہلے اس نے مجھے طلاق دے دی تھی۔ یہ میں جانتی ہوں یا اللہ جانتا ہے کہ میں اس کی بیوی نہیں ہوں۔

دین جب زندگیوں میں ہوتا ہے تو دنیا پھر جنت بن جاتی ہے۔ قربان جائیں اسلام کے حسن پر، خوبصورتی پر، یہ کتنا پھر بندے کو پاک صاف بنا دیتا ہے، صحیح معنوں میں فرشتہ صفت بنا دیتا ہے۔ زندگی میں شیطانیت ہوتی ہے، نفسانیت کی وجہ سے، اس لیے تربیت کی ضرورت ہوتی ہے، ان مجالس میں آنے کی ضرورت ہے کہ ہمیں پتہ تو چلے کہ ہمارے اکابر کی زندگی کیا تھی اور آج ہم کیا کرتے پھر رہے ہیں؟

اکابر علمائے دیوبند کے واقعات:

قریب کے زمانے میں ہمارے اکابر علمائے دیوبند کی زندگی کے واقعات سن لیں کہ ان کی قبولیت کا راز کیا تھا؟ اللہ کے ہاں کیوں قبول ہوئے؟ ان کی قبولیت کا راز ان کا اخلاص اور ان کا تقویٰ تھا۔

◉ ...... چنانچہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ کچھ طلبا علما ان کو دعوت کے لیے مجبور کر کے لے جاتے اور کھانا کھلا دیتے، اگر حضرت کو کبھی شک ہو جاتا کہ

اس بندے کی آمدنی ٹھیک نہیں تو واپس آکر تے کیا کرتے تھے۔ تاکہ کھانا جزو بدن نہ بنے

◉ ...... حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا دادا اپنے وقت کا بڑا نواب تھا، اس کی بڑی جائیدادیں تھیں۔ تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جب علم حاصل کر لیا اور تیس سال کی عمر ہوئی تو تمام زمینوں کی دستاویزات منگوائیں تاکہ پتہ چلے ہماری ہیں بھی یا نہیں۔ تو اکثر اپنی تھیں لیکن ایک سودے میں تھوڑا کسی کا حصہ بنتا تھا۔ حضرت نے اپنی جائیدادوں کو بیچ دیا حتیٰ کہ اپنی بیوی کے زیور کو بیچ کر ان تمام حق والوں کو ان کا حق دے دیا تاکہ قیامت کے دن کوئی مجھ سے پوچھنے والا نہ ہو۔

◉ ...... حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس تھے اور صدر مدرس ہونے کی وجہ سے جو انتظامیہ تھی اس نے بیٹھنے کی جگہ پر ذرا موٹا قالین بچھوا دیا۔ جب تک حضرت درس دیتے، اس پر بیٹھتے اور درس دینے کے بعد وہاں سے اٹھ کر دوسرے فرش پر بیٹھ جاتے کہ اب مجھے اس کے استعمال کی اجازت نہیں۔

◉ ...... حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جب سفر پر جانے لگتے اور گاڑی پر بیٹھ جاتے تو اگر کوئی بندہ بعد میں آتا کہ حضرت! اس شہر میں فلاں بندے کے لیے میرا رقعہ خط لیتے جائیں تو رقعہ نہیں پکڑتے تھے، فرماتے تھے کہ میں نے سواری والے سے ڈیل کر لی ہے اب سواری والے سے پوچھو، اجازت دے گا تو وزن بڑھاؤں گا ورنہ اتنا بھی وزن نہیں بڑھاتا۔

◉ ...... میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ ان کے پاس ایک قاری صاحب آئے، کسی نے کہا کہ جی یہ اشعار بڑے اچھے لہجے میں پڑھتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ جی میں نے تو نہیں سننے۔ انہوں نے کہا کہ جی اشعار سننے میں کیا رکاوٹ؟ فرمایا کہ لوگ مجھے

کبھی کبھی امام بنا دیتے ہیں اور اچھی سریلی آواز سے اشعار سننے کو بھی بعض علما نے بھی غنا کہا ہے اور غنا بلا مزامیر یہ بھی جائز نہیں۔ اس لیے میں نہیں سنتا تا کہ امامت میں حرج نہ آ جائے۔

◉ ...... ہمارے حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نابینا تھے۔ انہوں نے کسی سے قرض لینا تھا، چنانچہ وہ کئی میل کا سفر پیدل کر کے قرض لینے والے کے پاس گئے، گلی میں سے ڈھول کی آواز آ رہی تھی، پوچھنے لگے کہ یہ ڈھول کہاں بج رہا ہے؟ کسی نے کہا کہ حضرت جس گھر میں جانا ہے وہاں تو نہیں اس سے دو چار گھر آگے جا کر وہاں بج رہا ہے۔ فرمانے لگے: اچھا! پھر دوبارہ آؤں گا۔ اس نے کہا کہ آپ نابینا ہیں آپ کئی دن کی مشقت اٹھا کے ہیں آئے تو اب آپ لیتے جائیں، فرمایا نہیں! جب میں گلی میں داخل ہوں گا تو لوگ کہیں گے نا کہ پیر قریشی صاحب کا مرید ڈھول سن رہا تھا۔ ان کو کیا پتہ کہ میں ساتھ والے گھر میں قرضہ لینے آیا ہوں، میں اس گلی میں نہیں جاتا۔ اس کو کہتے ہیں: اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهْمَةِ (تہمت کے مواقع سے بچو)

◉ ...... حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان فرماتے ہیں کہ میں مفتی عزیز الرحمن محدث رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کئی مرتبہ گیا، میں نے ان کی مجلس میں برے سے برے بندے کی بھی کبھی بات ہوتے نہیں دیکھی کہ غیبت نہ ہو جائے۔ وہ کسی تھرڈ پرسن کی گفتگو کی اجازت ہی نہیں دیتے تھے کہ میرے سامنے اس کی بات کریں۔

◉ ...... حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے والد مولانا یحیی رحمۃ اللہ علیہ گھر میں کھانا پکاتے تھے، سردیوں میں وہ آتے ہوئے ٹھنڈا ہو جاتا، جم جاتا، تو طلبہ مدرسے کا جو تندور تھا، گیز رتھا، اس کے قریب رکھ دیتے تھے کہ اس کی گرمی کی وجہ سے جمنے نہ پائے۔ آگ کے اوپر نہیں رکھتے تھے، آگ سے فاصلے پر جہاں ہر ایک کو گرمی

لگتی ہے وہاں پر رکھ دیتے تھے۔ اس کی وجہ سے مدرسے میں پیسے جمع کرواتے تھے کہ میں نے مدرسہ کی آگ سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ مظاہر العلوم کا سالانہ جلسہ ہوتا تھا تو مدرسین مہمان نوازی کرتے تھے، تو کھانا اپنے گھر سے منگوا کے کھایا کرتے تھے۔

◉ ......حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ بڑا مشہور ہے۔ ریل پر سفر کر رہے تھے تو حارث پور سے کانپور تک کسی نے گنے کی گٹھڑی دے دی۔ تو حضرت نے کہا کہ نہیں بھئی! یہ مقررہ حد سے زیادہ وزن ہے، میں نہیں لے کے جاتا۔ اس نے کہا کہ جی میں نے گارڈ کو کہہ دیا ہے، گارڈ بھی آ گیا، اس نے کہا جی کوئی مسئلہ نہیں چیک تو میں نے کرنا ہے، آپ لے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں میں نے آگے جانا ہے۔ اس نے کہا کہ جی فلاں جگہ تک تو میری ڈیوٹی ہے آگے جس کی ڈیوٹی ہے اس کو کہہ دوں گا، وہ بھی نہیں پوچھے گا۔ فرمایا: نہیں میں نے اس سے بھی آگے جانا ہے۔ اس نے کہا کہ جی فلاں اسٹیشن سے آگے تو ریلوے لائن ہی نہیں ہے اور آگے کہاں جانا ہے؟ فرمانے لگے کہ میں نے روزِ محشر اللہ کے سامنے جانا ہے، وہاں اگر بچوا سکتے ہو تو ذمہ داری اٹھاتا ہوں۔ اس کو تقویٰ کہتے ہیں، آپ ریل گاڑی کے اچھے ڈبے میں سفر کرتے تھے تو اس کی ٹکٹ خریدتے تھے، اگر کوئی مرید ملنے آتا تھا تو پاس نہیں بیٹھنے دیتے تھے کہ نچلے درجے کی ٹکٹ خرید کر اوپر کے درجے میں مت آ کر بیٹھو۔ آج ایسے لوگوں کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترستی ہیں۔

◉ ......حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں جمعیت کے دفتر میں تشریف لائے تو ناظم صاحب نے اچھا کھانا کھلایا، نماز پڑھنے کا وقت آیا تو انہوں نے نماز کے لیے نئی نئی چٹائیاں بچھائیں۔ تو حضرت نے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سے فرمایا کہ ماشاء اللہ، اللہ نے نئی چٹائیاں مدرسے میں دے دیں؟ انہوں کہا جی نہیں، یہ ہماری تو نہیں ہیں، فلاں

تاجر آپ کا مرید ہے اسے جب پتہ چلا کہ آپ آئے ہیں تو اس نے اپنی دکان سے نئی چٹائیاں بھیج دی ہیں، استعمال کر کے پھر واپس کر دیں گے۔ تو حضرت کا چہرہ متغیر ہو گیا، چٹائی سے نیچے اتر گئے، فرمایا: مولانا وہ ان چٹائیوں کو غیر مستعمل کر کے بیچے گا اور ذمہ دار میں بنوں گا، گناہ گار میں ہوں گا، میں اس پر نماز ہی نہیں پڑھتا۔

⊙ ......حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ محدث سہارنپوری، نے بخاری شریف کا حاشیہ لکھا ہے۔ علمائے دیوبند میں ان کی انوکھی شان ہے، حدیث میں ایسے کامل بہت کم محدثین گزرے ہیں، یہ چوٹی کے چند علما میں سے تھے۔ ایک مرتبہ ایک دوست کو ملنے کے لیے کلکتہ گئے، دوست سے ملاقات ہوئی، اس نے کہا کہ جی میرے بہت سارے رشتہ دار آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں، ان کو بلا لیا۔ انہوں نے کہا: اچھا کوئی نصیحت فرما دیں تو حضرت نے نصیحت کر دی۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ جی حضرت کا مدرسہ ہے تو کچھ چندہ دے دیں۔ بہت چندہ ہوا اور وہ چندہ لے کر مدرسے آئے اور ناظم صاحب کے حوالے کیا۔ ناظم صاحب نے کہا کہ جی اتنا زیادہ چندہ تو کوئی سفیر بھی نہیں لے کے آتا جتنا چندہ آپ لے کے آئے اور آپ نے خرچے کی کوئی چٹ نہیں دی کہ میرا اتنا خرچہ ہوا ہے۔ فرمایا کہ سفر میں نیت دوست کو ملنے کی تھی اب میرے لیے سفر کا خرچہ لینا جائز نہیں ہے۔

اللہ کے ہاں قبولیت کی کوئی نہ کوئی بنیاد ہوتی ہے، یہ تقویٰ تھا جس کی وجہ سے اللہ نے علمائے دیوبند کو قبولیتِ عامہ اور تامہ عطا فرمائی۔

مشائخ نقشبند کے تقویٰ کے واقعات:

ہمارے مشائخ کے حالات پڑھ کے دیکھیے ہر ایک کی زندگی میں آپ کو تقویٰ کی کہانیاں ملیں گی۔

◉ ......خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہری حیثیت امیرانہ نہیں تھی، تھوڑی سی زمین تھی، خود ہل چلاتے تھے، کاشت کرتے تھے، گندم ہوتی تھی جو سارا سال چلتی تھی مگر حضرت نے تھوڑا تھوڑا پیسہ جمع کر کے گھر میں چکی لگائی۔ کسی نے کہا کہ حضرت! اتنی گندم تو نہیں ہوتی کہ آپ کو گھر میں چکی لگانے کی ضرورت پڑتی۔ تو فرمایا کہ جب باہر کی چکی میں گندم پیسنے کے لیے بھجوائی جاتی ہے تو جو پہلے پیسوائی بندے نے گندم ہوتی ہے اس کا آٹا رہ جاتا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میرے آٹے میں کسی کا اتنا بھی آٹا ملے۔

ہمارے دماغ جس کا سوچ بھی نہیں سکتے ان بزرگوں کی سوچ تقویٰ کی وجہ سے وہاں تک پہنچتی ہے۔ اس کو قوتِ فارقہ کہتے ہیں، دل بتا دیتا ہے۔

◉ ......امام العلما والصلحا حضرت عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ہندو لوگ گھی کا کام کرتے تھے، یعنی خرید وفرخت وہ کرتے تھے۔ تو حضرت مارکیٹ کا گھی استعمال ہی نہیں کرتے تھے۔ حضرت کے ایک خلیفہ تھے، ان کا نام حضرت نے رکھا ہوا تھا گھی والے مولوی صاحب۔ ان سے ہماری ملاقات ہوئی، ان سے صرف حضرت گھی خریدتے تھے۔ انہوں نے اپنے گھر میں گائے بھینس رکھی ہوئی تھی، تھنوں کو دھو کے پھر وہ دھلے برتن میں دودھ نکالتے تھے، اس دودھ سے گھی بنتا تھا اور وہ حضرت کو بیچتے تھے۔ اس لیے ان کا نام رکھا ہوا تھا گھی والے مولوی صاحب۔ بازار کا گھی اس لیے استعمال نہیں کرتے تھے کہ کیا معلوم جو استعمال کروں وہ کسی ہندو کے ہاتھ کا بنا ہوا ہو۔ ان کو تو پاکی ناپاکی کا پتہ ہی نہیں۔ سفر میں گھی ساتھ ہوتا تھا، کھانا بنانا ہوتا تھا تو اپنا بناتے تھے، کوئی دعوت پہ بلاتا تھا تو اس کے دسترخوان پر اپنا کھانا کھاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ بھئی آ جاؤں گا حکم تسلیم لیکن کھانا اپنا کھاؤں گا۔

◉ ...... خانیوال کے علاقے میں آم بہت اچھی نسل والے ہوتے ہیں، لیکن آپ بازار کا آم نہیں کھاتے تھے۔ اہل خانہ پوچھتے تھے کہ یہ لنگڑا ہے، یہ سندھڑی ہے، یہ فلاں ہے، یہ انور ٹور ہے، ذرا دیکھو یہ کتنا اچھا ہے؟ نہیں کھاتے تھے۔ پوچھا کیوں نہیں کھاتے؟ فرمایا: آج کل باغ والے پھل آنے سے پہلے بیع کر لیتے ہیں اور اگر جنس سامنے موجود نہ ہو تو بیع جائز نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ بیع باطل ہوتی ہے لہٰذا اس کی وجہ سے آم یا کوئی ایسا پھل ہی نہیں کھاتے تھے، اچار جس میں آم پڑا ہوا ہو وہ بھی استعمال نہیں کرتے تھے۔ چٹنی استعمال نہیں کرتے تھے کہ کہیں اس میں کھٹی کی جگہ آم نہ ڈالا ہوا ہو۔ اتنا احتیاط کرتے تھے معاملات میں۔

◉ ...... چنانچہ حضرت کی عادت تھی کہ سردی گرمی سر کے اوپر چھتری رہتی تھی۔ ایک ہاتھ میں عصا اور ایک میں چھتری، لوگ بڑے حیران ہوتے تھے کہ سخت سردی کے موسم میں چھتری، کسی نے پوچھ لیا کہ حضرت! سردیوں کے موسم میں چھتری کی کیا ضرورت؟ فرمایا کہ میں اس کو سردی یا گرمی سے بچنے کی نیت سے ساتھ نہیں رکھتا بلکہ میں تو اس لیے رکھتا ہوں کہ جس راستے سے گزر رہا ہوں اگر دائیں سے غیر محرم عورت آتی محسوس ہوتی ہے تو میں چھتری سے ہی پردہ کر لیتا ہوں، بائیں طرف سے آتی محسوس ہوتی ہے میں ادھر سے آڑ بنا لیتا ہوں میں غیر محرم عورت کے کپڑے پر بھی نظر نہیں ڈالتا۔ اب سوچیے کہ غیر محرم سے کتنا ان کو پرہیز ہوتا تھا، اسی تقویٰ کی وجہ سے ان لوگوں کے ساتھ اللہ کی مدد تھی، اللہ نے ان کے سینوں کو روشن کر دیا تھا، زندگیوں میں اعمال سے برکت ڈالی اور ان کے کام کو اللہ نے قبولیت عطا فرما دی۔ تو آج اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی ان اکابر کے راستے پر چلیں تو ہمیں آج اس نئی زندگی گزارنے کا ارادہ کرنا پڑے گا۔

⊙ ......حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے خود یہ واقعہ سنایا، فرمانے لگے کہ میری اہلیہ مجھے وضو کروا رہی تھیں، پانی ڈال رہی تھیں، میں وضو کر رہا تھا، تو وضو کا پانی ڈالنے میں ذرا کچھ کمی سی ہوئی تو میں نے غصے میں دیکھ کر کہا کہ دیکھتی نہیں۔ وہ خاموش رہی اور پانی ڈالتی رہی، جب وضو کرلیا تو میں نے سر پر عمامہ باندھا، مسجد کی طرف چلا کہ فجر کی نماز کی امامت کروانی تھی۔ ابھی مسجد کے دروازے پر پہنچا تھا تو میرے دل میں خیال آیا کہ ابھی آپ جائیں گے اور امامت کے مصلے پہ کھڑے ہوں گے اور گھر میں آپ نے بیوی کو خوامخواہ ایسے ڈانٹا کہ اس کا دل دکھی ہوا۔ فرمایا کہ میں نے مسجد میں پیغام بھیجا کہ جماعت کے لیے میرا انتظار کریں۔ میں گھر واپس گیا، اور اہلیہ سے معافی مانگی کہ میں نے آپ کا دل دکھایا آپ معاف کر دیں، اہلیہ نے مسکرا کر کہا کہ نہیں میں نے تو محسوس نہیں کیا، تب میں مسجد میں لوٹ کے آیا اور آ کر نماز پڑھائی۔

اپنا موازنہ کریں

ہمارے اکابر کی زندگیاں یہ تھیں اور آج علما کی بیویوں سے ذرا پوچھ کر دیکھیے کہ ان کا گھروں میں حال کیا ہے؟ چھوٹی سی بات پہ غصہ میں آجاتے ہیں اور پتہ کیا سمجھتے ہیں؟ ہم جلال والے ہیں، یہ نہیں سمجھتے کہ ہم غصے کے مریض ہیں۔ بھئی! ہم جلال والے ہیں، تو اگر قیامت کے دن اللہ نے بھی جلال کا معاملہ کر دیا تو کیا ہوگا؟ یہ جو ہم نے گھر والوں کو اور بچوں کو ستایا ہوا ہے۔ بچوں کو جانوروں کی طرح مارتے ہیں، قاری دراصل قہاری، معمولی معمولی باتوں پہ اتنی سزا کہ بندہ حیران ہو جاتا ہے۔ سمجھتے ہیں کہ جی ہم بڑے اچھے استاد ہیں۔ یہ تو قیامت کے دن جب وہ کھڑے ہوں گے اپنا حق مانگنے کے لیے پھر پتہ چلے گا۔

حدیث پاک میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ماتحت لوگوں کے حقوق کے لیے ان کے جو وکیل ہوں گے وہ انبیا ہوں گے۔ فرمایا کہ میں قیامت کے دن ان کا وکیل بنوں گا اور ان ماتحت لوگوں کو ان کا حق لے کے دکھاؤں گا۔ اگر بچوں کے وکیل اللہ کے نبی اور بیوی کے وکیل اللہ کے نبی بن گئے تو ہمارا کیا بنے گا؟ ہم نے تو کتنوں کے دل دکھائے، ہم نے کتنوں کی چیزیں بغیر اجازت استعمال کیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ہم سے پوچھنے والا نہیں، قیامت کے دن کی تیاری اسی کا نام ہے کہ ہم ان سب جھگڑوں کو ادھر ہی سمیٹ لیں، معافی مانگ لیں، معاف کروالیں تاکہ قیامت کے دن کوئی سامنے نہ کھڑا ہو کہ اس نے میرا حق دینا ہے۔

آخرت کی سکیننگ مشین (Scaning Machine):

جب ہوائی سفر کرتے ہیں تو ائیر پورٹ پر ایک مشین کے اوپر ہر مسافر کو گزرنا پڑتا ہے، اس کی جیب میں کوئی سکہ یا لوہے کی چیز ہو تو وہ فوراً آواز آتی ہے۔ ہم نے دیکھا کہ لوگ بڑی احتیاط کرتے ہیں، ہر میٹل والی چیز کو اپنے بیگ میں ڈال دیتے ہیں، جیب میں کچھ بھی نہیں رکھتے کہ جب گزرنے لگیں گے تو مشین بول پڑے گی۔ تو جب وہاں سے گزرنا ہوتا ہے تو قیامت کا دن یاد آتا ہے۔ اللہ وہ بھی تو دن ہوگا کہ ایک ایک بندہ آپ کے سامنے آئے گا۔ ادھر بھی سکینر مشین لگی ہوگی مگر وہ ہر بندے کے دل کو سکین کرے گی کہ گناہوں کے اثرات کتنے پڑے ہیں؟ کتنے بندوں کے دل دکھائے ہیں؟ جنہوں نے تقویٰ کی زندگی گزاری ہوگی اس کو کہیں گے کہ جاؤ سامنے تمہیں جنت کا دروازہ نظر آرہا ہے اور جن کے گزرنے سے مشین بول پڑے گی پھر فرشتے ان کو روکیں گے اور کہا جائے گا:

﴿ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴾ (الصافات:۲۴)

ان کو تو روک لیجیے، ہم نے ان کا ٹرائل کرنا ہے، جامہ تلاشی لینی ہے۔ یہ طالب علم صاحب، چھپی دوستیاں لگاتے تھے، روکو ذرا اس کو، ذرا پوچھ تو لیں ان سے۔ یہ نوجوان صاحب سیل فون کو ہاتھ میں پکڑے رکھتے تھے، کبھی اس کا میسج، کبھی اس کی کال، ہر ایک کو وہ کہتے تھے: میں آپ کو مس کرتا ہوں، میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ ہر کال پر غیر محرم کو محبت کا پیغام دینے والا، ہم سے محبت کا اظہار کیوں نہیں کرتا تھا

﴿وَقِفُوهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُولُوْنَ﴾ (الصافات:۲۴)

آج ہمیں بھی پوچھنے دو کہ کیسے زندگی گزار کے آیا۔ اس صوفی صاحب کو بھی روک لو! یہ اپنی بیوی کو تنگ کر کے رکھتا تھا، گھر کے اندر پریشان کر کے رکھتا تھا، وہ اوپر سے میاں تسبیح تھا اندر سے میاں کسبی تھا۔ **وقفوھم** روکو ذرا ان کو **انھم مسئولون** ہم نے اس کا ٹرائل لینا ہے، تفتیش کرنی ہے۔ اگر قیامت کے دن کھڑا کرلیا گیا نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ نُوْقِشَ فِي الْحِسَابِ فَقَدْ عُذِّبَ))

''جس سے حساب لیا گیا بس سمجھو کہ اسے عذاب ہو گیا''

آج اپنا محاسبہ کرلیں:

ہمارا کیا بنے گا؟ آج وقت ہے اپنی زندگی کو تقویٰ سے مزین کرلیں، تقویٰ اس کو کہتے ہیں کہ ہم ایسی زندگی گزاریں کہ قیامت کے دن کوئی بندہ ہمارا گریبان پکڑنے والا نہ ہو۔ تنہائی میں بیٹھ جائیں، اس بارے میں سوچیں! کس کی غیبت کی؟ کس کا حق مارا؟ کس کی چیز بغیر اجازت استعمال کی؟ کس کا دل دکھایا؟ سب سے معافیاں مانگ لیجیے۔ اس کے بغیر ولایت ہرگز نہیں مل سکتی۔

ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں بیت المقدس گیا دو فرشتے آئے، وہ گفتگو

کرنے لگے کہ یہ کون؟ ایک نے کہا کہ ابراہیم ادھم ہے، اللہ نے اس کا ایک درجہ گھٹا دیا، دوسرے نے پوچھا: کیوں؟ کہنے لگا کہ اس نے بصرہ سے کھجوریں خریدی تھیں اور دکان دار کی ایک کھجور نیچے گر گئی تھی اور اس نے اپنی سمجھ سے اٹھا کے کھالی تو اس کی ولایت کا ایک درجہ کم کر دیا گیا۔ فرماتے ہیں مجھے فوراً یاد آیا کہ ایسا ہوا تھا۔ اگلا دن آیا کھجوریں خریدیں اور اس دکاندار کو کھجور واپس کی۔ پھر بیت المقدس میں ساری رات عبادت کی، دو فرشتے نظر آئے، وہ گفتگو کر رہے تھے، ایک نے دوسرے کو کہا: کھجور واپس کرنے کی وجہ سے اللہ نے ولایت کا درجہ بحال فرما دیا۔

ایک کھجور کی وجہ سے اگر ولایت کا درجہ گھٹ سکتا ہے، ہم نے تو کتنے لوگوں کے ساتھ برائی کی، زیادتی کی، کہاں کی ولایت؟ دور کی بات ہے؟ جب تک کے انسان اپنی زندگی میں تقویٰ پیدا نہیں کرے گا، یہ رکاوٹیں رہیں گی۔ جیسے جانور کو باندھ دیا جائے، جا نہیں سکتا، شیطان نے ہمیں نفس کی رسی کے ساتھ ایسے باندھ دیا کہ ہم اللہ کی طرف پرواز نہیں کر سکتے۔ چھوٹی چھوٹی بے احتیاطیاں جن کی وجہ سے رکے ہوئے ہیں۔ کاش! اللہ رب العزت ہمیں سمجھ دے، آج ہم عہد کریں کہ اللہ آج کے بعد محتاط زندگی گزاریں گے، پچھلے معاملات کا تصفیہ کریں گے اور آئندہ اللہ! آپکے بندوں میں سے کسی بندے کا حق نہیں ماریں گے اور نیکی کے جو عمل آپ کے ساتھ ہیں تو اللہ! آپ تو مہربانی فرما دینا، ہم آپ کو نیکیاں دکھانے کے قابل نہیں میرے مولیٰ! یہ تو آپ کی رحمت ہے اور آپ کی ستاری کے صدقے جی رہے ہیں، اگر آپ نے گناہوں کے اندر بو ڈالی ہوتی تو آج کوئی ہمارے پاس بیٹھنا بھی برداشت نہ کرتا۔

آج وقت ہے تیاری کر لیں ورنہ اللہ کے سامنے جواب دینا مشکل کام ہوگا۔

چنانچہ مکران کا بادشاہ تھا۔ ایک بڑھیا کی گائے کو اس کے لشکر والوں نے ذبح کر

﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾

(توبہ:۱۱۹)

علما کے لیے صحبت صلحا کی اہمیت

بیان: محبوب العلما والصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 19 جولائی 2010ء بروز سوموار ۶ شعبان، ۱۴۳۱ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: خصوصی تربیتی مجالس برائے علما وطلباء (چوتھی مجلس)

اقتباس

وقت کے ساتھ ساتھ کچھ جاہل صوفیا کے اعمال نے علما کو بہکا دیا۔ علما اتنا بگڑ گئے کہ انہوں نے اس تصوف کو شجرِ ممنوعہ سمجھنا شروع کر دیا۔ وہ کہنے لگے کہ جی کیفیات کو چھوڑو، بس اپنا ایمان بچاؤ! مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ طلبا عشقِ نبوی والی کیفیات میں کمزور ہوتے چلے گئے۔ اور یہ انحطاط، یہ زوال آج مدارس کی فضا میں نظر آتا ہے۔ تو اب وہی ضرورت محسوس ہوئی کہ ان دونوں چیزوں کا رشتہ بحال کیا جائے، خانقاہوں میں رہنے والے مدارس میں آ کے علم سیکھیں اور مدارس میں رہنے والے خانقاہوں میں جا کر ذکر سیکھیں، تا کہ ان میں پھر وہی کمالات پیدا ہو جائیں۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

علما کے لیے صحبتِ صلحا کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (توبہ:۱۱۹)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دو نعمتیں:

نبی علیہ السلام اس امت کو دو نعمتیں دے کر گئے، ایک کو کہتے ہیں تعلیماتِ نبوی اور دوسری کو کہتے ہیں کیفیاتِ نبوی۔ علم بھی سکھایا اور علم کی کیفیت کیا ہونی چاہیے صحابہ کو وہ بھی سکھائی۔ تو صحابۂ کرام نے دو نعمتیں پائیں، تعلیماتِ نبوی بھی پائیں اور کیفیاتِ نبوی بھی پائیں، اس لیے صحابہ کرام کو ان کیفیات میں تھوڑا فرق محسوس ہوتا تھا تو فوراً کہتے تھے کہ ''نَافَقَ حَنْظَلَةُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ'' حنظلہ منافق ہو گیا۔

تو دو نعمتیں ملیں، تعلیماتِ نبوی، کیفیاتِ نبوی۔ تعلیماتِ نبوی کو علم کہتے ہیں اور کیفیاتِ نبوی کو تزکیہ کہتے ہیں۔

علم کے ساتھ تزکیہ بھی ضروری:

علم کی کیفیت سے تو آپ واقف ہیں ہی تزکیہ اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ اگر

علمِ مطلق پر مغفرت ہوتی تو شیطان کی بھی ہو جاتی، علم تو اس کے پاس بھی بہت تھا۔ اس کے پاس علم کی کمیت تھی، مقدار تھی لیکن باطنی مرض تکبر بھی ساتھ تھا جو اس کو لے ڈوبا۔ تو علم کے باوجود باطنی مرض نے اس کو برباد کر دیا۔ تو ثابت ہوا کہ باطنی امراض ہوں تو علم فائدہ نہیں دیتا۔ اس لیے قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے بے عمل علما کو فرمایا:

﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾ (جمعہ:۵)

''یہ گدھے ہیں جن کے اوپر بوجھ لادا ہوا ہے۔''

فرمایا:

﴿اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ﴾ (الجاثیۃ:۲۳)

''کیا دیکھا آپ نے اسے جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہ کر دیا''

تو تزکیہ کا ہونا یہ انتہائی ضروری ہے۔

پہلے مشائخ دونوں نعمتوں کے حامل تھے:

پہلے زمانے میں مشائخ ان دونوں نعمتوں کے حامل اور کامل ہوا کرتے تھے۔ ان کے پاس تعلیماتِ نبوی بھی ہوتی تھیں اور کیفیاتِ نبوی بھی ہوتی تھیں، لہٰذا شاگرد ان سے وہ دونوں چیزیں حاصل کرتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ کمال، وہ جامعیت باقی نہ رہی، مدارس بن گئے تو پھر یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہو گئیں۔ جہاں سے لوگ تعلیماتِ نبوی سیکھتے اس کو مدرسہ کہا جانے لگا اور جہاں سے کیفیاتِ نبوی سیکھتے اس کو خانقاہ کہا جانے لگا۔ پھر بھی امت میں سینکڑوں سال یہ شعبے اپنا کام

کرتے رہے۔ علم کے طالب مدارس سے علم پاتے تھے اور کیفیاتِ نبوی کے طالب خانقاہوں میں جا کر عشقِ الٰہی کی نعمت پاتے۔

انحطاط کی وجہ:

وقت کے ساتھ ساتھ کچھ جاہل صوفیا کے اعمال نے علما کو بہکا دیا۔ علما اتنا بگڑ گئے کہ انہوں نے اس تصوف کو شجرِ ممنوعہ سمجھنا شروع کر دیا۔ وہ کہنے لگے کہ جی کیفیات کو چھوڑو، بس اپنا ایمان بچاؤ! مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ طلبا عشقِ نبوی والی کیفیات میں کمزور ہوتے چلے گئے۔ اور یہ انحطاط، یہ زوال آج مدارس کی فضا میں نظر آتا ہے۔ تو اب وہی ضرورت محسوس ہوئی کہ ان دونوں چیزوں کا رشتہ بحال کیا جائے، خانقاہوں میں رہنے والے مدارس میں آ کے علم سیکھیں اور مدارس میں رہنے والے خانقاہوں میں جا کر ذکر سیکھیں، تاکہ ان میں پھر وہی کمالات پیدا ہو جائیں۔

مشاہیر علما مشائخ کی صحبت میں

چنانچہ پہلے وقتوں میں بڑے بڑے مشاہیرِ علما اپنے وقت کے مشائخ کے سامنے شاگرد بن کر بیٹھتے تھے۔ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشائخ کے ساتھ انقیاد و تواضع کا معاملہ علما میں سے اماموں نے بھی کیا ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے فیض پایا، یہ ہمارے نقشبندیہ سلسلہ کے بزرگ ہیں۔ دو سال ان کے ساتھ رابطہ رہا اور اتنا فیض ملا کہ آپ فرماتے تھے:

"لَوْ لَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ"

"اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا"

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں بکثرت جایا کرتے تھے۔ اس لیے ان دونوں کا رنگ ایک جیسا تھا، اصولِ فقہ ان دونوں کے ایک جیسے تھے، لیکن پہلے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بنائے۔

"لَتَبِعَهُ مَالِكُ ابْنُ اَنَسٍ"

"اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی اتباع کی"

اس لیے آپس میں بہت زیادہ مماثلت ہے، شیخ تھے نا جن سے فیض ملا تھا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے ایک بزرگ تھے شعبان رائی رحمۃ اللہ علیہ، شعبان ایک قبیلے کا نام ہے تو امام محمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ وہ بھی اسی قبیلے کے تھے اس قبیلے کے بزرگوں سے انہوں نے فیض پایا۔

ابو العباس ابنِ شریح رحمۃ اللہ علیہ

ابو العباس ابنِ شریح رحمۃ اللہ علیہ لغت کے امام گزرے ہیں۔ ان کے بارے میں آتا ہے کہ وہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں گئے تھے اور پہلے دن ان کی باتیں سن کر کہا کہ مجھے اس بندے کی باتیں سمجھ تو نہیں آرہیں لیکن اس کے کلام کی صولت اور شان ایسی ہے کہ یہ باطل کلام میں نہیں ہو سکتی۔ لطافت میں بتا دیا کہ بات کرنے والے کوئی

صاحبِ جذب بزرگ ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں جاتے تھے۔ کسی نے کہا بھی کہ آپ اتنے بڑے امام ہیں، محدث بھی ہیں، فقیہ بھی ہیں، لیکن ایک ایسے بندے کے پاس جاتے ہیں جو فقط عبادت میں ہی لگا رہتا ہے۔ تو آپ نے خوبصورت جواب دیا۔ فرمایا کہ دیکھو! میں عالم بکتاب اللہ اور بشر حافی عالم باللہ ہیں عالم باللہ کو عالم بکتاب اللہ پر فضیلت ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ ایک صاحب نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا۔ اس نے پوچھا کہ حضرت!

مَا الْاِخْلَاصُ

''اخلاص کیا ہوتا ہے؟''

فرمایا: هُوَ الْخَلَاصُ مِنْ آفَاتِ الْاَعْمَالِ

''اعمال کی آفات سے خلاصی پا جانا اس کا نام اخلاص ہے۔''

اس نے کہا: مَا التَّوَكُّلُ ''توکل کیا ہے؟''

فرمایا: اَلثِّقَةُ بِاللّٰهِ ''اللہ پر اعتماد کرنا''

اس نے کہا: مَا الرِّضَاءُ ''رضا کیا ہے؟''

فرمایا: تَسْلِيْمُ الْاُمُوْرِ اِلَى اللّٰهِ

''اپنے معاملات کو اللہ کے سپرد کر دینا۔''

اس نے کہا: مَا الْمُحَبَّةُ ''محبت کیا ہے؟''

فرمایا: اس کا جواب میں نہیں دوں گا، اس کا جواب بشر حافی سے پوچھ لو۔ جب تک علم کی بات ہوتی رہی، جواب دیتے رہے، جب احوال اور کیفیات کی بات ہوگئی تو پھر ان کے پاس بھیج دیا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے بیٹے صالح بن احمد کو ترغیب دیتے تھے کہ تم ان مشائخ کی صحبت میں جایا کرو!

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے بزرگ ابو حفص حداد رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ یہ وہی بزرگ ہیں کہ لوہا کوٹتے تھے اور جب اذان کی اللہ اکبر ہوتی اگر ہتھوڑا سر کی طرف اٹھایا ہوا بھی ہوتا تھا تو لوہے کو نہیں مارتے تھے، رکھ دیتے تھے کہ اب میرے اللہ نے مجھے طلب فرمالیا۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف کے شارح ہیں۔ انہوں نے ایک وقت میں شیخ مدین سے ملاقات کی، توجہ کا اثر ایسا پڑا کہ بقیہ زندگی رابطے ہی میں گزار دی۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت حضرت نجم الدین ابکار رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھی۔

شیخ الاسلام عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی بخاری شریف کے شارح ہیں، معروف بزرگ ہیں، ان کے متعلق علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

اَلْقُعُوْدُ مَعَ الصُّوْفِيَةِ فِيْ خَانْقَاهِ

''کہ یہ صوفیوں کے ساتھ خانقاہ میں بیٹھتے تھے۔''

شیخ ابوالعباس عزالدین الفاروقی رحمۃ اللہ علیہ

ان کے بارے میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كَانَ قَدْ لَبِسَ خِرْقَةَ التَّصَوُّفِ مِنَ السُّهَرْ وَرْدِی

''کہ انہوں شیخ شہاب الدین سہروردی سے خلافت پائی۔''

شیخ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ماوراءالنہر کے بڑے فقیہہ تھے۔

ذَهَبَ بِاِشَارَةِ شَيْخِهٖ اِلٰی بُخَارَا وَ اِعْتَكَفَ هُنَا

''شیخ کے اشارے پر بخارا گئے، اعتکاف کیا''

اور وہاں بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت پائی۔

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ

صاحب پرانوار، ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے کے ایک قادری بزرگ شیخ یٰسین بن عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت پائی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے باطنی نعمت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگ حضرت خواجہ بوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ سے پائی۔ اپنی کتاب میں انہوں نے لکھا ہے: ''میں نے باطنی نعمت حضرت بوعلی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی''۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے باطنی نسبت مولانا خالد کردی رحمۃ اللہ علیہ سے پائی۔ یہ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگ تھے، خواجہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ان کے خلیفہ تھے۔ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ درمختار لکھنے والے، آج جس دارالافتا میں جاؤ آپ کو ''شامی'' ان کی میز پر پڑی ملے گی۔ مسئلہ پوچھنے جاؤ جو پہلی کتاب اٹھائیں گے وہ شامی ہوگی۔ ایک طرف فقیہ بھی ہیں اور ایک طرف تصوف کے ایسے بزرگ بھی ہیں۔

ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ

ہم جو درس نظامی پڑھتے ہیں، اس کی قبولیت کا راز یہ ہے کہ ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ جو صاحبِ درسِ نظامی ہیں۔ وہ انڈیا کے ایک گاؤں کے تھے۔ اودھ انڈیا کے ایک شہر کا نام ہے، وہاں کا ایک گاؤں تھا ''بانسا''۔ یہ اس گاؤں کے ایک غیر معروف بزرگ تھے، اللہ والے تھے، ان سے جا کر انہوں نے بیعت کی۔ ان کی دعائیں تھیں جن سے ان کو اخلاص ملا اور اخلاص کے سبب اللہ نے ان کے بنائے ہوئے، ترتیب دیے ہوئے کتب کے نظام کو قبولیت عطا فرمائی۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ جن کی آپ شرح جامی پڑھتے ہیں، ان کی بیعت ہمارے سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ خوجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھی۔

علامہ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ

ایک اور بزرگ ہیں علامہ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ، درس نظامی والے طلبا ان

کو جانتے ہیں۔علامہ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت ہمارے سلسلہ عالیہ کے بزرگ خواجہ علاؤ الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں، اپنے شیخ کے بارے میں:

وَاللّٰہِ مَا عَرَفْتُ حَقَّ سُبْحَانَہٗ تَعَالٰی مَا لَمْ اٰتِیْ فِیْ خِدْمَۃِ الْعَطَّارِ

''اللہ کی قسم! مجھے اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب نہیں ہوئی جب تک کہ میں عطار کی خدمت میں نہیں پہنچا۔''

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ محدث تھے۔آج اقسامِ حدیث پڑھنے کے لیے انہیں کا وہ مقدمہ کام آتا ہے جس میں انہوں نے بیان کیا کہ صحیح کیا ہے؟ مرفوع کیا ہے؟ موضوع کیا ہے؟ فلاں کیا ہے؟ فلاں کیا ہے؟ اتنے بڑے محدث! ان کی بیعت ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

بخارا میں فقیہ وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ مفسر قرآن تھے، ان کی تفسیرِ مظہری عربی کی مشہور تفسیر ہے۔ بیان القرآن پڑھ لیجیے یا معارف القرآن پڑھ لیجیے، آپ کو ہر چند صفحوں میں تفسیرِ مظہری کا ریفرنس ملے گا۔ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ حضرت مرزا جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ سے ان کو اجازت وخلافت تھی، مفسر بھی تھے، محدث بھی تھے۔صوفی اور شیخِ وقت بھی تھے۔

حضرت مولانا عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ فرنگی محلی، ان کی بیعت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھی۔ اور آگے آیئے! حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت حضرت حاجی صاحب امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھی۔

دیگر علمائے دیوبند رحمۃ اللہ علیہم:

اور ان کے بعد کے بزرگ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ، سب حضرات نے بیعت کی تھی۔ تو دیکھیے! وہ تمام لوگ جن سے اللہ نے دین کا کام لیا، جنہوں نے ٹھوس کام کیا، یہ سب وہی تھے جو تعلیماتِ نبوی کے حامل بھی تھے اور کیفیاتِ نبوی کے بھی حامل تھے، مرج البحرین تھے۔ ان سے اللہ نے دین کا کام لیا۔

متعدد مشائخ سے اخذِ فیض:

بلکہ بعض نے تو کئی کئی مشائخ سے فیض پایا۔ چنانچہ خواجہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے مقام الرجا امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھا، مقام حیا شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ سے پایا اور نسبت فردیت ابوحفص حداد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔

ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف میں میرے استاد جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، فقہ میں ابن شریح رحمۃ اللہ علیہ، نحو میں صالح رحمۃ اللہ علیہ اور حدیث میں ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اور نفس کی اصلاح کے لیے اتنے علوم کا ہونا ہی کافی ہوتا ہے۔

صحبت کی تاثیر:

اب دیکھیے کہ بڑے بڑے علما وہی تھے جنہوں نے اپنے وقت کے مشائخ سے فیض پایا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تحفۃ الصالحین میں لکھتے ہیں:

''بے شمار لوگوں کی ایک جماعت جن کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً محال ہے اور وہ اس قسم کی جماعت ہے کہ جس کا ہر فرد تقویٰ اور علم کے باعث ایسا درجہ رکھتا ہے کہ اس کے اوپر جھوٹ کی تہمت لگانا ناجائز ہے، ان لوگوں نے زبانِ قلم سے اور قلمِ زبان سے اس بات کی تصدیق کی کہ ہمیں مشائخ کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے باطن میں ایک نئی حالت محسوس ہوئی۔ بے شمار حضرات نے تصدیق کی اور یہی چیز بہت سارے کمالات کا موجب ہے۔''

اور یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کا کام ان لوگوں سے لیا جو ظاہری باطنی علوم کے جامع تھے، صدق اور اخلاص کا اثر ان کی تحریر اور تقریر میں آ گیا تھا۔

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، امت کی دو جماعتیں اللہ کی رحمت ہیں، ایک فقہا کی جماعت اور دوسری صوفیا کی جماعت۔ فرماتے ہیں کہ یہ سب لوگ حکمائے امت ہیں، چنانچہ قرآن مجید کی آیت ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (توبہ:۱۱۹)

''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کی صحبت اختیار کرو''

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں لکھتے ہیں:

''خَالِطُوهُمْ لِتَكُونُوا مِثْلَهُمْ وَكُلُّ كَرِيمٍ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِي''

''کہ ان کے ساتھ اتنی مخالطت کرو اتنا ملو جلو کہ تم ان کی طرح بن جاؤ ساتھی اپنے ساتھی کی اتباع کرتا ہے''

تاکہ تم ان کی طرح بن جاؤ، رنگ چڑھ جائے، خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔اسی طرح بندے کا رنگ بندے پر چڑھتا ہے۔

اب یہ جو خَالِطُوْا هُمْ ہے یہ باب مفاعلہ کا صیغہ ہے خَالَطَ يُخَالِطُ مَخَالَطَةً اس میں جانبین کا فائدہ ہے۔خاصیتِ ابواب میں پڑھتے ہیں کہ اس میں استفادہ اور افادہ دونوں ہوتے ہیں۔تو ایک بندے کے اوپر دوسرے بندے کی طبیعت کا اثر ہوتا ہے۔

یہاں تک جذب کر لوں کاش تیرے حسنِ کامل کو
تجھی کو سب پکار اٹھیں گزر جاؤں جدھر سے میں

کہ میں جدھر سے گزر جاؤں آپ ان کو یاد آ جائیں۔نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت میں ایسے رنگ جائے کہ بندہ جدھر سے گزر جائے لوگوں کو مسلمانوں کے پیغمبر اسلام یاد آ جائیں۔

دوست، دوست کے دین پر:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((اَلْمَرْءُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِطُ))

''بندہ اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے پس تم میں سے ہر ایک یہ دیکھے کہ وہ کس سے ملتا ہے''

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

"لِاَنَّ الطِّبَاعَ مَجْبُوْلَةٌ عَلَی التَّشَبُّهِ وَالْاِقْتِدَاءِ بَلِ الطَّبْعُ يَسْرِقُ مِنَ الطَّبْعِ مِنْ حَيْثُ لَا يَدْرِيْ هٰذَا"

"ایک طبیعت دوسری طبیعت سے اتنی خاموشی سے چیز اخذ کر لیتی ہے۔ پتہ ہی نہیں چلتا"

دریا کے کنارے میں بیٹھنے والے کی طبیعت کے اندر برودت آجاتی ہے۔
آگ کے قریب بیٹھنے والے کی طبیعت کے اندر ریغوست آجاتی ہے۔
اونٹوں کو چرانے والے کی طبیعت میں ہٹ دھرمی آجاتی ہے۔
گھوڑوں کی خدمت کرنے والے کی طبیعت اندر شجاعت آجاتی ہے۔
بکریوں کے چرانے والے کی طبیعت میں عاجزی اور تواضع آجاتی ہے۔
تو اگر مادی چیزوں کا اثر اور جانوروں کا اثر ہو جاتا ہے تو پھر انسانوں کا اثر کیوں نہیں ہوگا، اگر ان کی صحبت میں بیٹھیں گے۔

نظر کا لگنا برحق ہے:

دوسری حدیث مبارکہ ہے، اسماء بنتِ زبیر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام کے خدمت میں یہ عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جعفر کے بچوں کو نظر لگ جاتی ہے، خاوند کا نام لیا۔

اَفَاَسْتَرْقِیْ لَهُمْ ؟

"کیا میں انہیں کچھ پڑھ کے دم کر دیا کروں؟"

«قَالَ نَعَمْ فَاِنَّهٗ لَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابِقُ الْقَدْرِ لَتَسْبِقُ الْعَيْنِ»

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کر سکتی ہے تو وہ نظر ہے

جو سبقت کر جاتی ہے۔''

نظر میں اتنا اثر ہوتا ہے، اب سوچیے کہ جس نظر کے اندر عداوت تھی، دشمنی تھی، بغض تھا، کینہ تھا، حسد تھا، وہ نظر اگر اثر کر جاتی ہے تو جس نظر کے اندر محبت ہو، شفقت ورحمت ہو، اخلاص ہو تو پھر وہ نظر کیوں اثر نہیں کرتی؟

یہ جو اللہ والوں کی صحبت میں اثر ہوتا ہے یہ اصل میں ان کی نظر لگ جایا کرتی ہے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْعَیْنُ حَقٌّ ''نظر کا لگ جانا حق ہے''

عارفین کی نظر:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

کُنْتُ وَجَدْتُ ھٰذَا الْعَیْنَ نَظَرَ الْعَارِفِیْنَ

''میں نے اس نظر لگنے کو عارفین کی نظر میں پایا''

پہلے تو بری نظر لگنے کا تذکرہ تھا اور جو اس کے مخالف چیز ہے وہ عارفین کی نظر ہے وہ بھی لگ جاتی ہے۔

فَاِنَّہٗ مِنْ حَیْثِ التَّاْثِیْرِ اَلْاَکْثِیْرُ

''وہ بھی اکثیر ہوتی ہے''

...... یَجْعَلُ الْکَافِرَ مُوْمِنًا — کافر کو مومن بنا دیتی ہے۔

...... وَالْفَاسِقَ صَالِحًا — فاسق کو نیک بنا دیتی۔

...... وَالْجَاھِلَ عَالِمًا — جاہل کو عالم بنا دیتی۔

...... وَالْکَلْبَ اِنْسَانًا — اور کتے کو انسان بنا دیتی ہے۔

اب دیکھیں! اصحابِ کہف کا ساتھ ملنے سے کتے کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائیں گے، جو نعمت انسانوں کو ملنی تھی وہ اللہ اسے عطا کریں گے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لِكُلِّ شَيْءٍ مَعَادِنٌ وَ مَعَادِنُ التَّقْوٰى قُلُوْبُ الْعَارِفِيْنَ))

(جمع الفوائد)

''ہر چیز کا خزانہ ہوتا ہے تقویٰ کا معادن عارفین کے دل ہوتے ہیں''

صحبت کے بغیر دین نہیں:

چنانچہ ہمارے بزرگوں نے اس بات کو سمیٹا ہے اس کا لب لباب یوں بیان کیا ہے کہ فرمایا:

...... لَادِيْنَ اِلَّا بِالْعِلْمِ

''علم کے بغیر دین نہیں''

......وَلَا عِلْمَ اِلَّا بِالْكِتَابِ

''اور کتاب کے بغیر علم نہیں''

...... وَلَا كِتَابَ اِلَّا بِمُرَادِهٖ سُبْحَانَهٗ تَعَالٰى

''اللہ کی مراد سمجھے بغیر کتاب نہیں۔''

......وَلَا يَتَبَيَّنُ مُرَادُهٗ اِلَّا بِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

''اللہ کی مراد کو نہیں سمجھ سکتے اگر سمجھ سکتے ہیں تو نبی کی سنت سے۔''

...... وَلَا يَتَّضِحُ السُّنَّةُ اِلَّا بِكَلَامِ الْفُقَهَاءِ

''اور سنت کی وضاحت نہیں ہو سکتی سوائے کلامِ فقہا کے۔''

جو حدیث کے سمجھنے والے ہیں۔

تو حدیث کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو اور فقہ اس بات کی سمجھ کو کہتے ہیں۔ تو سمجھنے کے لیے فقہ کی ضرورت ہے اور آگے فرماتے ہیں کہ

...... وَلَا يُفِيْدُ كَلَامُ الْفُقَهَاءِ اِلَّا بِالْاِنْصِبَاغِ

کلام فقہا کو نہیں سمجھ سکتے جب تک کہ رنگ نہ چڑھے (صِبْغَةُ اللّٰهِ) وہی لفظ ہے یہ اللہ کا رنگ) تو رنگ چڑھے بغیر سمجھ نہیں سکتے۔

وَلَا يَلُوْحُ الْاِنْصِبَاغُ اِلَّا بِالتَّزْكِيَةِ

اور رنگ لائٹ نہیں مارتا، روشنی نہیں دیتا سوائے تزکیہ کے،

اس میں چمک نہیں آتی سوائے تزکیہ کے۔

...... وَلَا يَتَاَتّٰى التَّزْكِيَةُ اِلَّا بِمَعِيَّةِ الشُّيُوْخِ

اور تزکیہ نہیں ہوتا سوائے مشائخ کی معیت کے۔

وَلَا الْمَعِيَّةُ اِلَّا بِاِتِّبَاعِهِمْ

اور ان کی معیت کا فائدہ نہیں سوائے ان کی اتباع کرنے کے۔

تو معلوم ہوا کہ جو بندہ دین کو اپنے جسم پر لاگو کرنا چاہتا ہے اوڑھنا بچھونا بنانا چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ مشائخ کاملین کی صحبت میں آئے۔ اپنے آپ کو حوالے کر دے اور پھر دیکھے کہ اللہ تعالیٰ دل کی دنیا کو کیسے بدلتے ہیں؟ اس کے بغیر علمِ محض تو رہتا ہے، عمل کا راستہ پوری طرح نہیں کھلتا۔ علامہ اقبال کا ایک عجیب شعر ہے:

تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
مجھ کو نہ تھی خبر کہ ہے علمِ نخیل بے رطب

نخل کہتے ہیں کھجور کے درخت کو اور رطب کہتے ہیں کھجور کو، کھائی جانے والی جو ہوتی ہیں۔ تو نخیل بے رطب یعنی درخت بغیر پھل کے۔

تازہ میرے ضمیر میں معرکہ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بو لہب

عشق جو ہے وہ تمام مصطفیٰ ہے اور عقل اگر کامل ہو جائے تو لہب بن جاتی ہے۔ اس عقل کو سیدھا رکھنے کے لیے عشق کی ضرورت ہے اور وہ ملتا ہے اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر۔

بیمار کی رائے بھی بیمار ہوتی ہے:

اس لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علما کو اپنی اصلاح کے لیے کسی محقق کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ قاعدہ ہے کہ

رَأْيُ الْعَلِيْلِ عَلِيْلٌ "بیمار کی رائے بھی بیمار ہوتی ہے"

اس لیے اس دنیا میں ڈاکٹر لوگ بیمار ہو جاتے ہیں تو سیلف ٹریٹمنٹ پر انحصار نہیں کرتے، ایک دوسرے ڈاکٹر کو چیک کرواتے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے، ورنہ تو وہ خود ڈاکٹر ہے اور اپنے جسم کو جاننا بھی بہتر ہے تو اپنا علاج خود کرنا چاہیے، مگر ڈاکٹر لوگ سمجھتے ہیں کہ اپنا علاج کرنے سے بندہ زیادہ بیمار ہو جاتا ہے، دوسرے ڈاکٹر سے علاج کرواؤ۔ اسی طرح کوئی اگر چاہے کہ میں اپنی باطنی بیماریوں کا خود علاج کروں رَأْيُ الْعَلِيْلِ عَلِيْلٌ۔ بیمار کی رائے بیمار والی بات ہوگی۔

علما کو صحبتِ مشائخ کی ضرورت:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علما کو اپنی اصلاح کے لیے کچھ مدت کسی

کے پاس رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ ایسا علم جس پر عمل نہ ہو وہ جہنم میں جانے کا سبب بنے گا۔

((لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ وَلِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ))

''وہ علم جس کو حاصل کریں علما کے پاس بیٹھنے کے لیے اور جاہلوں کے ساتھ جھگڑا کرنے کے لیے۔''

تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم حاصل کرنے کے لیے دس سال لگاتے ہیں تو کیا وہ اس پر عمل کا رنگ چڑھانے کے لیے دس ماہ نہیں لگا سکتے۔ جس طرح ''کنز وھدایۃ'' پڑھنا ضروری ہے اسی طرح ابو طالب مکی کی ''قوۃ القلوب'' اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی اربعین پڑھنا بھی ضروری ہے۔ دس سال گزر گئے کتابوں میں دین کو پڑھتے ہوئے، اس دین کی عملی شکل بھی تو دیکھیں۔ اس لیے مشائخ کی صحبت میں جائیں، دین کی عملی شکل آپ کو آنکھوں سے نظر آئے گی۔

ان کے ساتھ ذرا دیکھیے، ان کو اپنے غصے پر قابو کتنا ہوتا ہے؟ ان کے ساتھ بیٹھ کے دیکھیے، وہ غیبت سے کیسے بچتے ہیں؟ ان کے پاس بیٹھ کر دیکھیے، ان کے دل میں اللہ کی محبت کتنی ہوتی ہے؟ یہ صفات یہ کمالات ساتھ رہ کے نظر آئیں گے اور پھر دل کہے گا کہ ہیں تو یہ بھی انسان مگر اللہ نے ان کے اندر کوئی نہ کوئی آگ بھری ہوئی ہے، ان کی زندگیوں میں دن اور رات کا فرق ختم ہو جاتا ہے، حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اب میری نظر میں دن اور رات کا فرق ختم ہو گیا ہے۔ تو ایسے بزرگوں کی صحبت میں وقت گزارنا پڑتا ہے، اسی کو حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

قال را بگزار مردِ حال شو
پیش مردِ کامل پامال شو

؎ صد کتاب و صد ورق در نار کن
جان و دل را جانبِ دالدار کن

جان ودل کو اللہ کے حوالے کر دے۔ چنانچہ شاعر کہتے ہیں:

؎ اے بے خبر بکوش کہ صاحب خبر شوی
تا راہ بیں نباشی کہ راہبر شوی

''اے بے خبر کوشش کر کہ تو صاحب خبر بن جائے، تو اگر راستہ نہیں دیکھے گا تو تو رہبر کیسے بنے گا؟''

؎ در مکتبِ حقائق پیشِ ادیبِ عشق
ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

تو بیٹا بن تاکہ تو کسی دن باپ بھی بن سکے۔

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ علما کو عوام کی نسبت باطنی نعمت حاصل کرنے میں کم وقت لگتا ہے، عوام آتے ہیں اس باطن کی نعمت کو حاصل کر کے نور بنتے ہیں، علما آتے ہیں وہ اس باطنی نعمت کو حاصل کر کے نورٌ علیٰ نور بن جاتے ہیں۔ علم کا نور تو پہلے ہوتا ہے، اب باطن کا نور جب اللہ عطا فرماتے ہیں تو نورٌ علیٰ نور بن جاتے ہیں۔ اور اس پر دلیل کے طور پر ابو نعیم رضی اللہ عنہ کی روایت پیش فرماتے تھے کہ

((مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰہِ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا ظَھَرَتْ یَنَابِیْعُ الْحِکْمَۃِ مِنْ قَلْبِہٖ عَلٰی لِسَانِہٖ))

''جو چالیس دن اخلاص کے ساتھ چلہ لگائے، اس کے دل سے حکمت کے

چشمے اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔“

اس لیے حدیث میں شریف میں آیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو روایت کیا:

((مَنْ صَلّٰی اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا فِیْ جَمَاعَةٍ لَمْ تَفُتْهُ تَکْبِیْرَةُ الْاُوْلٰی کَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بَرَآءَتَیْنِ، بَرَآءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَ بَرَآءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ))

”جو چالیس دن جماعت کے ساتھ نماز پڑھے اس کی تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دو براُتیں لکھ دیتے ہیں، آگ سے بری اور نفاق سے بری“

مشائخ کی صحبت سے دل زندہ ہوتا ہے:

ہمارے مشائخ کی تکبیرِ اولیٰ کی پابندی دنوں کے حساب سے نہیں سالوں کے حساب سے ہوتی تھی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند کے سالانہ جلسے میں آئے، تقریر ختم ہوئی، آذان ہو گئی تو حضرت سیدھے مصلے کی طرف چل پڑے۔ مصافحہ کرنے والوں کا مجمع اتنا زیادہ تھا، دیوانے پروانے اتنے تھے کہ حضرت کو چلنے کی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ لوگوں کو بہت کہا کہ راستہ دے دو، منت سماجت کی، اتنا ٹائم لگ گیا کہ ابھی راستے میں تھے کہ جماعت کھڑی ہو گئی، مگر حضرت نے نماز تو خیر پڑھ لی مگر بعد میں آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کسی نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ فرمایا: آج تیس سال کے بعد میری تکبیر اولیٰ فوت ہوئی ہے۔ یہ نعمت ان کو کیسے ملی؟ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ اس سے پھر انسان کا دل بیدار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے۔

((وَالَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ رَبَّهٗ کَمَثَلِ الْحَیِّ وَ الْمَیِّتِ))

”جو اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو ذکر نہیں کرتا ان کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے“

تو اس سے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((وَفِی الْحَدِیْثِ اِیْمَاءٌ اِلٰی اَنَّ مُدَاوَمَةَ ذِکْرِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ تُوْرِثُ الْحَیَاۃَ الْحَقِیْقِی الَّتِیْ لَا فَنَاءَ لَھَا))

کہ ذکر سے ایسی حقیقی زندگی مل جاتی ہے جس کے بعد اس کو موت نہیں آتی، یہی ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ دل ایسا زندہ ہوتا ہے کہ اس دل کو پھر موت نہیں آتی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

حدیث مبارکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا))

”جب تم جنت کے باغوں کے پاس سے گزرو تو تم چر لیا کرو“

تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:

اِذَا مَرَرْتُمْ بِجَمَاعَةٍ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ تَعَالٰی فَاذْکُرُوْا اللّٰہَ اَنْتُمْ اَیْضًا مُوَافَقَةً لَھُمْ فَاِنَّھُمْ فِیْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ

”جب تم ایسی جماعت کے پاس گزرتے ہو جو اللہ کا ذکر کر رہی ہو تو تم بھی ان کی طرح اللہ کا ذکر کرو بے شک وہ جنت کے باغوں میں ہیں۔“

اس لیے کہ جو انسان نیکوں کی سنگت پالیتا ہے اس پر نیکی کا اثر ہو جاتا ہے۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبتِ طالع ترا طالع کند

حسنِ رفاقت مطلوب ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴾ (النساء:۶۹)

''وہ قیامت کے دن ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے بڑا فضل کیا، یعنی انبیاء صدیق، شہید اور نیک لوگ اور ان کی رفاقت بہت ہی خوب ہے''

تو معلوم ہوا کہ مطلق رفاقت کافی نہیں ہے، ''حَسُنَ'' حسنِ رفاقت مطلوب ہے اور حسنِ رفاقت تبھی ہوتی ہے کہ ان کے پاس رہے اور ان جیسے رنگ کو اپنائے، اسی کا نام اتباع ہے۔

اتباع کی برکات:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ﴾

یہ اتنی سی بات کی برکات دیکھو!

﴿مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾

تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو اور صدیقین کو وعاطفہ کے ساتھ جوڑا یعنی معصومین کے ساتھ غیر معصومین کو جوڑ دیا، ان کی اتباع کی برکت سے۔

اب میرا نام بھی آئے گا تیرے نام کے بعد

جس نے مشائخ کی اتباع کی اللہ نے ان کے نام کو بھی قبولیت عطا فرمادی۔

حدیث مبارکہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((هُمْ رِجَالٌ لَا يَشْقَى جَلِيسُهُمْ))

''وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوتا''

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک شعر لکھا:

؎ یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریاء

مفتی اعظم پاکستان، حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت! یہ جو شعرا ہوتے ہیں، یہ افراط و تفریط کے مرتکب ہو جاتے ہیں، جس سے محبت ہوئی چڑھا دیا اور جس سے تھوڑا دل میں مسئلہ ہوا تو اس کو گھٹا دیا، تو مجھے لگتا ہے کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بات کو بڑھا دیا ہے کہ اللہ والوں کی ایک لمحے کی صحبت سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔ اگر تو فرماتے کہ سو سال کی عبادت سے بہتر ہے مان لیتے ہیں کہ عبادت میں اخلاص بھی نہیں ہوگا۔ وہ تو فرماتے ہیں بے ریا عبادت سے بہتر ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اس شعر کو پڑھوں، فرمایا جی:

؎ یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از لکھ سالہ طاعت بے ریاء

کہتے ہیں: حضرت! سو سال کی بات سمجھ نہیں آرہی تھی آپ نے تو لکھ سال کہہ دیا، یہ کیا مسئلہ؟ تو حضرت نے پھر تحقیقی جواب دیا، فرمایا: دیکھو! اگر کوئی بندہ سو سال، لاکھ سال عبادت کرے تو کیا اس کا خاتمہ اچھا ہونا یقینی ہے؟ فرمایا نہیں، شیطان کی مثال سامنے ہے، ہزاروں سال عبادت کی، انجام برا ہوا، بلعم باعور کی مثال سامنے

ہے، سینکڑوں سال عبادت کی انجام برا ہوا تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دیکھو! اتنی عبادت کے بعد بھی گارنٹی نہیں لیکن اللہ والوں کی صحبت کے بارے میں اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سچی زبان کے ساتھ فرما رہے ہیں:

((هُمْ رِجَالٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ))

یہ وہ بندے ہیں ان کے پاس بیٹھنے والا شقی نہیں ہوتا۔ اور شقی وہ ہوتا ہے جس کا خاتمہ ایمان پر نہ ہو، جس کا ایمان پر خاتمہ ہوا وہ شقی نہیں ہوسکتا۔ تو معلوم ہوا کہ ایک ہزار سال کی عبادت پر بھی وہ نعمت نہیں ملتی جو اللہ والوں کی صحبت میں مل جاتی ہے۔

حضرت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

حضرت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میرے پاس دو عالم لاؤ ایک صحبت یافتہ اور ایک غیر صحبت یافتہ ٹھیک پانچ منٹ میں بتادوں گا کہ صحبت یافتہ کون ہے اور غیر صحبت یافتہ کون ہے؟ فرماتے تھے آنکھوں کے اشاروں میں، تیور میں، کندھوں کی حرکت میں، رفتار میں، گفتار میں، صاف پتہ چل جاتا ہے کہ اس کے اوپر کسی کی صحبت کا رنگ چڑھا ہے اور یہ غیر صحبت یافتہ ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

اس لیے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''عالم بدون تربیت کے نفس کا کتّا ہوتا ہے''

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ دورۂ حدیث کے طلبہ کو فرمایا اور اس بات کو حضرت مولانا عبداللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شجاع آباد والے انہوں نے نقل فرمایا وہ خود طلبا کی جماعت میں شریک تھے۔ فرماتے ہیں کہ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے سارے طلبا کو

بلا کر بٹھا کر فرمایا:

کہ تم جتنی مرتبہ چاہو بخاری شریف ختم کر لو لیکن جب تک اللہ والوں کی جوتیاں سیدھی نہ کرو گے، روحِ علم سے محروم رہو گے۔

یہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ دورۂ حدیث کے طلبا کو فرما رہے ہیں۔تو معلوم ہوا کہ رہبر کا ہونا ضروری۔

ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مرید پر واجب ہے کہ شیخ سے تربیت پائے، جس کا شیخ نہیں وہ فلاح نہ پائے گا اور اس کا رہبر شیطان ہوگا۔''

اور فرماتے ہیں:

''میں نے ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات سنی کہ جو خودرو پودا ہوتا ہے، وہ پتے تو دیتا ہے، پھل نہیں دیا کرتا۔''

اور واقعی حقیقت بات ہے کہ خودرو پودوں کو پھل تو لگتے نہیں لگیں تو بے ذائقہ اور بہت ہی زیادہ کم مقدار میں لگتے ہیں۔تو ہم خودرو پودے نہ بنیں! اپنے لیے ہم کسی مالی کی تلاش کریں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت غور کے قابل ہے، فرماتے ہیں:

''نور باطن صلی اللہ علیہ وسلم رازِ سینۂ درویشاں باید جست''

جست کا مطلب ہے تلاش کرنا اسی سے جستجو ہے۔یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ باطن کو

درویشوں کے سینوں میں تلاش کرو، وہاں سے تمہیں ملے گا۔

حضرت محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

حضرت محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''یہ قربِ خاص جس کا نام نسبت ہے اس عالمِ اسباب میں حضرات صوفیا کے طریق پر چلنے سے ہی مل سکتی ہے۔''

علامہ سید سلمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

علامہ سید سلمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ کی محبت حاصل کرنے کے لیے اہل اللہ کی صحبت سے زیادہ کوئی عمل نہیں۔''

اور اس پر عجیب دلیل قائم کی، فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دعا سکھائی:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ))

''اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت مانگتا ہوں اور ان کی محبت جو آپ سے محبت کرتے ہیں''

یہ جو اللہ سے محبت کرنے والوں کی محبت مانگی جا رہی ہے، یہ دلیل ہے کہ ان کی صحبت اور محبت میں انسان کو دین ملتا ہے۔

حضرت شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

حضرت شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں پڑھتا تھا تو میرے والد صاحب نے مجھے خط لکھا اور خط میں فرمایا:

ملائے خشک ونا ہموار نا باشی

"خشک اور ناہموار ملانہ بننا۔"

کچھ ہوتے ہیں ناخشک اور ناہموار......!!! تو وہ نہ بنیں۔

تنقیدی نظر محرومی کا سبب:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحبت میں رہو تو تم محبت کے ساتھ رہو، تنقید کی نظر کے ساتھ رہو گے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ تم ہر وقت تولتے ہی رہو گے۔

میری ہر نظر تیری منتظر تیری ہر نظر میرا امتحان

تو کئی طلبا علما کو دیکھا کہ تولتے ہی رہتے ہیں کہ فلاں بزرگ ایسا، فلاں بزرگ ایسا، اور فائدہ اٹھانے کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔

چنانچہ ایک عالم تھے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث کیا، وہ ہمارے مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کے دارالعلوم حنفیہ میں مسلم شریف پڑھاتے تھے، عرصہ گزر گیا مسلم شریف پڑھاتے ہوئے، بڑے استادوں میں سے تھے، دو سال حضرت کے سامنے رہے، سوچتے تھے میں بیعت ہو جاؤں گا۔ کہتے رہے، درس بڑا اچھا دیتے ہیں، چہرے پر بڑا نور ہے، بات میں بڑی تاثیر ہے۔ بیعت کے بارے میں سوچتے ہی رہے کہ ہو جاؤں گا، ہو جاؤں گا۔ جس دن حضرت کی وفات ہوئی، اس دن سر پکڑ کر بیٹھ گئے، کاش میں فائدہ اٹھالیتا۔ اس عاجز کے پاس آ کر کہنے لگے کہ زندگی کی اتنی بڑی غلطی نہیں ہو سکتی کہ ایسے کامل کے مدرسے میں رہ کر دو سال گزارے اور میں نے ان سے فائدہ نہ پایا، آج دیکھتا ہوں کہ پورے ملک میں ان جیسی شخصیت نہیں رہی، سوچتے رہ جاتے ہیں، تولتے رہ جاتے ہیں۔

صحبت میں رہیں مگر محبت کے ساتھ:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ کے اندر حدیث شریف ((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي)) کی شرح میں لکھتے ہیں:

فِيهِ تَعْلِيمٌ لِمُرِيدٍ لِأَنْ لَا يَنْظُرَ إِلَى الشَّيْخِ بِعَيْنِ الْإِسْتِحْقَارِ وَإِنْ رَأَى عِبَادَتَهُ قَلِيلَةً فَلْيُظْهِرْ عُذْرَهُ وَيُعَلِّمْ نَفْسَهُ إِنْ شَرَعَ مِنْهَا إِنْكَارٌ عَنْ شَيْخِهِ لِأَنَّ مَنْ اِعْتَرَضَ عَلَى الشَّيْخِ لَمْ يَفْلَحْ أَبَدًا

اس میں مرید کے لیے تعلیم ہے کہ وہ اپنے شیخ کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اگر چہ اس کی عبادت کو اپنی عبادت سے تھوڑا دیکھے، سمجھ لے کہ اب ان کی عذر کی زندگی ہے اور اپنے نفس کو یہ بات سمجھائے کہ اگر شیخ پر انکار جاری ہو گیا تو پھر کیا ہوگا؟ شیخ کے اوپر جس نے اعتراض کیا وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔

تو معلوم ہوا کہ صحبت میں رہیں مگر محبت کے ساتھ۔ جب ایک مرتبہ دیکھ لیا کہ زندگی سنت اور شریعت کے مطابق ہے تو بس کافی ہے۔ ہر بات میں ہر چیز میں تو لتے رہیں گے تو شیطان اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیگا۔ یہ تو ایسے ہی ہے کہ جیسے ڈاکٹر کے بارے میں جب جان لیتے ہیں کہ معروف ہے، اچھا ہے، آپریشن کرتا ہے تو کیا کوئی جا کر ڈگری کی تصدیق کرتا ہے؟ پوچھتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب آپ نے یہ فن کہاں سے سیکھا؟ کوئی اس کی دوائیوں کو دیکھتا ہے کہ ڈاکٹر نے دوائی ٹھیک بھی دی ہے یا نہیں؟ بس علاج کروا لیتے ہیں۔ ایسے ہی جب دیکھ لیا کہ اس شیخ کی صحبت میں رہنے والوں پر شریعت اور سنت کا رنگ چڑھ جاتا ہے، نیکی کی طرف بڑھتے ہیں، گناہوں کو چھوڑتے ہیں، اس سے بڑی دلیل اور کیا چاہیے؟ جائیں اور ان کی صحبت

میں رہ کر اپنے آپ کو علاج کے لیے حوالے کر دیں۔

اصلاح میں بڑی رکاوٹ:

بڑی مصیبت یہ ہے کہ نفس اپنے عیب کسی کو بتانے نہیں دیتا۔ اب اگر مریض صاحب ڈاکٹر کے پاس جائیں کہ ڈاکٹر صاحب! ران پہ پھوڑا نکلا ہے مگر میں کپڑا ہٹا نہیں سکتا تو وہ کہے گا کہ میں آپ کے لیے دعا کر سکتا ہوں، گھر تشریف لے جائیں۔ بھائی! اگر آپریشن کروانا ہے تو شریعت ران کھولنے کی اجازت دیتی ہے۔ عام بندے کے سامنے ران کا کھولنا حرام ہے مگر علاج کی نیت سے ڈاکٹر کے سامنے کھولنا جائز ہے۔ اسی طرح عام بندے کو اپنے گناہ کے بارے میں بتانا، یہ اعلان کرنے والی بات ہے، اظہار کرنے والی بات ہے، یہ منع ہے۔ لیکن طبیب کو تو وہ بتانا پڑے گا کہ حضرت! میرا حال یہ ہے، میری کیفیت یہ ہے، بتائیں گے تو علاج ہوگا نا۔ تب جا کر انسان کے اوپر رنگ چڑھے گا اور اس کو سیدھا راستہ ملے گا۔

سیدھا راستہ کونسا ہے؟

حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: قرآن کا خلاصہ سورۃ فاتحہ، اور سورۃ فاتحہ کا خلاصہ ہے:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ (الفاتحہ:۵)

اللہ سے یہ دعا مانگنی ہے، یہ پوری کتاب کا خلاصہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسی خلاصے کے لیے مقتدی اپنے امام کو اپنا وکیل بنا لیتے ہیں، ضامن بنا لیتے ہیں۔ "الامام ضامنٌ" لہٰذا امام اللہ کے حضور فریاد پیش کر دیتا ہے ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾۔ مسئلہ دیکھیے کہ پہلے دعا منگوائی اور پھر اسی امام کی زبان سے اللہ نے

جواب بھی کہلوا دیا:

﴿ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ (البقرۃ:۲،۱)

گویا امام دونوں کا وکیل بن گیا۔ اور شریعت کا مسئلہ ہے کہ نکاح کے باب میں ایک بندہ طرفین کا وکیل بن سکتا ہے، بیع اور شراء میں نہیں۔ بیع اور شراء کا مسئلہ اور ہے۔ تو امام بھی طرفین کا وکیل ہے۔ پہلے خود اور پھر مقتدیوں کی طرف سے مانگتا ہے۔

اب اگر کوئی خشک اور ناہموار صاحب کہتے ہوں کہ جی جب امام فاتحہ پڑھ کر وکیل بن سکتا ہے تو وضو بھی امام کر لے۔ تو بھئی! وضو اور طہارت تو آداب شاہی میں سے ہے، جب شہنشاہ کے محل میں آنا ہو تو تم طہارت اور وضو کے ساتھ آؤ، یہ داخلی شرائط ہیں۔ اس کے بغیر تم نماز میں داخل ہی نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ کسی کا بدن ناپاک تو نماز کی نیت ہی نہیں ہوتی، کسی پر غسل فرض ہو تو نماز کی نیت ہی نہیں ہوتی، وہ نماز میں داخل ہی نہیں ہو سکتا۔ تو وضو اور طہارت آداب شاہی ہیں، یہ مسجد میں نماز کے لیے مصلے پر کھڑے ہونے کی شرط تھی، لہٰذا اس میں کوئی وکیل نہیں بن سکتا۔ آ کے کھڑے ہوں گے تو طہارت کر کے کھڑا ہونا پڑے گا۔ اور کوئی خشک اور ناہموار یہ کہے کہ جی جب فاتحہ میں امام ضامن بن گیا تو رکوع اور سجود بھی وہی کر لے۔ تو قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رکوع اور سجود اعمال شکرانہ ہیں، جب نعمت ملے تو شکر تو ہر بندے کو ادا کرنا پڑتا ہے، شکرانے کے طور پر۔ اس لیے ہر مقتدی کو رکوع سجود بھی کرنے پڑتے ہیں، اے مالک! آپ نے ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ دعا کی توفیق بھی دے دی اور اس کا جواب بھی دلوا دیا، اب ہم رکوع سجود کر کے آپ کا شکر ادا کر رہے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ سیدھا راستہ مانگنا، یہ اصل میں لب لباب ہے قرآن کا۔ اب یہاں ایک علمی نکتہ کہ قرآن میں جواب جو دلوا دیا کہ تم جو کہہ رہے ہو نا ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ اب یہ صراط مستقیم ہے کیا؟ آگے یہ نہیں کہا: صراط القرآن والحدیث قرآن اور حدیث کا راستہ، قرآن اور حدیث کے نقشے پر چل پڑو! اس لیے خشک اور ناہموار کہتے ہیں کہ جی ہمیں تو قرآن سے دکھاؤ یا حدیث سے دکھاؤ! تو بھائی وہ صراط المستقیم سے آگے قرآن اور حدیث تو نہیں کہا۔ قرآن نے کیا کہا؟

﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ (فاتحہ:٦)

بندوں کے بارے میں بتایا کہ ان بندوں کے راستے پر جن پر انعام ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ ان بندوں کے پیچھے چلنا پڑے گا۔ اسی کو اقتدا کہتے ہیں، تقلید کہتے ہیں۔

تقلید لازم ہے:

تو تقلید تو سمجھ میں آتی ہے، فرض ہے، قرآن کریم میں رب کریم نے فرمایا:

﴿وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ﴾

یہ واتبع امر کا صیغہ ہے اور جس چیز کا حکم ہو انسان پر وہ چیز لازم ہو جاتی ہے۔ تو تقلید شخصی واجب ہے، مطلقاً تقلید تو فرض ہے۔ قرآن پاک کی یہ آیت ہے۔ کیسے کہہ دیتے ہیں کہ جی ہم امام کی نہیں مانتے۔ خدا کے بندو! تم آئمہ کی نہیں مانتے تم اپنے مسجد کے امام کی مانتے ہو۔ کیا تم ماں کے پیٹ سے پڑھ کے آئے؟ کسی سے تو پڑھا نا! کون تھا وہ؟ مسجد کا امام۔ تو مسجد کے امام کی مانتے ہیں، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں مانتے...... واہ بھئی واہ۔

اور آج کل تو فتاویٰ بھی ان کے علما نے لکھے ہیں۔ جب ان حضرات کے علما کے فتاویٰ میں دیکھتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں۔ بھئی! جب کوئی غیر مقلد ٹھہرا تو اس کو تو کسی کی نہیں ماننی چاہیے۔ اب فتوے جو چھپ گئے تو اس کا مطلب ہے کہ ان کے اماموں کی بات کو وہ مانتے ہیں، فتوے پڑھ کر چلتے ہیں۔ تو پھر خواہ مخواہ یہ بات کہ جی ہم کسی کی نہیں مانتے، تو تقلید ہر ایک کو کرنی پڑتی ہے۔ الحمد للہ ہمیں محدثین اور فقہا کے جو بڑے امام تھے، ہم نے امامِ اعظم نام نہیں رکھا، اس دور کے اکابر نے ان کا نام رکھا۔ اس وقت امت اس پر متفق ہوئی اور آج ہم اس امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے ہیں۔ قیامت کے دن یہ مسجد کے مولوی کے پیچھے اللہ کے سامنے پیش ہوں گے، ہم امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے پیش ہوں گے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صراطِ مستقیم ترکیب نحوی کے اعتبار سے مبدل منہ ہے اور ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ یہ بدل الکل ہے اور بدل کی ترکیب میں مقصود بدل ہی ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جو حضرات آئمہ کی پیروی کرتے ہیں وہ قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔

صحبت کی برکات:

صحبت کے اندر اثرات ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا عبد الغنی پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بندہ آیا، کہنے لگا: حضرت! آپ ہر وقت صحبت ہی کی فضیلت بیان کرتے رہتے ہیں۔ تو حضرت نے فرمایا کہ اچھا کیا تم صحابی بن سکتے ہو؟ کہتا ہے نہیں۔ فرمایا: تم نماز بھی پڑھتے ہو، روزے بھی رکھتے ہو، حج بھی کرتے ہو، زکوٰۃ بھی دیتے ہو، دین کے سارے کام تو کرتے ہو، تو جب دین کے سارے کام کرتے ہو تو

صحابی بھی بن سکتے ہو۔ کہتا ہے نہیں۔ کیونکہ صحابی تو صحبت سے ہے۔ تو فرمایا: اس کا مطلب ہے صحبت سے وہ درجہ ملا جو انسان کو عبادت کے ذریعے سے نہیں ملا۔ اس لیے صحبتِ صلحا سے وہ نعمتیں ملتی ہیں جو ذاتی عبادات سے انسان کو نہیں مل سکتیں۔

سنیے عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ افضل ہیں یا سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ کیونکہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لڑائیاں ہی رہی تھیں اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا دور بڑا انصاف کا اور پر امن دور تھا۔ اس نے سوال پوچھا کہ ان میں سے افضل کون ہے؟ عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ عنہ نے کیا خوبصورت جواب دیا! فرمایا: سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کے لیے نکلے تو ان کے گھوڑے کے گھٹنے میں جو مٹی لگی تھی وہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے افضل ہے۔ صحبت کی برکات دیکھیے! اسی لیے ساری دنیا اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بندوں سے بھر جائے تو اربوں کھربوں اویس قرنی مل کر ایک حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے رتبے کو نہیں پہنچ سکتے۔ اور وحشی رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک مرتبہ دیکھا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ٹھیک ہے تمہارا ایمان قبول ہے، تمہیں دیکھ کر مجھے اپنا چچا یاد آئیں گے، تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ایک مرتبہ دیکھا۔

معلوم ہوا کہ صحبت کی برکات بغیر صحبت کے انسان حاصل کر ہی نہیں سکتا۔

بے استادے بے بنیادے:

آج دنیا کہتی ہے کہ جی استاد کے بغیر کام سمجھ میں نہیں آتا۔

ہر آں کارے کہ بے استاد باشد
یقین دانی کہ بے بنیاد باشد

ہر بندہ جو بے استادہ ہوتا ہے سمجھ لو کہ وہ بے بنیادہ ہوتا ہے۔

......کارپینٹر کے پاس بیٹھے ہوئے پتہ چلتا ہے کہ بسولہ پکڑنا کیسے ہے؟

......درزی کے پاس بیٹھ کر پتہ چلتا ہے کہ سوئی پکڑنی کیسے ہے؟

......خوش نویس کے پاس بیٹھ کے پتہ چلتا ہے کہ قلم پکڑنا کیسے ہے؟

یہ چھوٹے چھوٹے کام استاد کی صحبت کے بغیر اگر نہیں آتے تو دین استاد کی صحبت کے بغیر کیسے آئے گا؟

اس لیے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا
او نشیند در حضورِ اولیاء

''ہر وہ بندہ جو چاہے کہ میں اللہ کے ساتھ بیٹھوں۔ اس کو چاہیے کہ اللہ والوں کے حضور بیٹھے ایسے ہی ہوگا کہ اللہ کے ساتھ بیٹھا۔''

صحبتِ نیکاں اگر یک ساعت است
بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

''نیک لوگوں کی ایک گھڑی کی صحبت سو سال کے زہد و طاعت سے بہتر ہوتی ہے۔''

صحبت کا رنگ کیسے چڑھتا ہے؟

تو رشتہ تو جوڑنا پڑتا ہے، انہوں نے ایک مرتبہ اس تعلق کو بڑے عجیب انداز سے سمجھایا کہ دیکھو ہمارے ہاں دیسی آم ہوتے ہیں، سائز بھی چھوٹا، کھٹے بھی ہوتے ہیں، ذائقہ بھی اچھا نہیں ہوتا اور درخت کے اوپر لگتے بھی تھوڑے ہیں۔ اس لیے باغ

والے دیسی آم کا باغ نہیں لگاتے، پیوندی آم کا باغ لگاتے ہیں۔ کیوں؟ ہیں تو وہ بھی آم، پتے بھی اسی کے، تنا بھی اسی کا مگر اس کے اوپر ایک جوڑ لگاتے ہیں جس کو پیوند کہتے ہیں۔ اس پیوند لگنے کے بعد وہ قلمی آم شروع ہو جاتا ہے۔ لنگڑا، دوسہری، انور ٹول۔ تو اب جب یہ آم کی شاخ نکلتی ہے تو بڑھتی ہے۔ تو اوپر پھل بھی بہت زیادہ ذائقہ اور خوشبو بھی بہترین، لوگ اس آم کو کھانے کے لیے ترستے ہیں۔ نیچے سے ابھی بھی دیسی ہے، جڑ دیسی ہے، لیکن پھل قلمی آم کے لگ رہے ہیں۔ تو فرماتے تھے کہ مرید دیسی آم کی مانند ہوتا ہے جب شیخ کی صحبت میں رہتا ہے تو قلمی آم کی قلم لگ جاتی ہے۔ پھر اسی مرید کے اندر اخلاق اور اعمال کے پھل لگ جاتے ہیں۔ پھر اس کو دیکھ کر دنیا حیران ہوتی ہے کہ واقعی یہ کہیں سے پی کر آیا ہے، رنگ بتا دیتا ہے۔

اسی طرح دیسی گلاب، اس کے اندر تھوڑے پھول لگتے ہیں اور چند سالوں کے بعد پھول دینے چھوڑ بھی جاتا ہے۔ یا پرانے دیسی گلاب کے پودے لگیں ہوں تو پھول بھی نہیں آتے، کئی دفعہ لوگ تنگ آ کر آخر نکال دیتے ہیں۔ اس کی جگہ قلمی گلاب لگاتے ہیں۔ قلمی گلاب کا رنگ بھی خوبصورت اور خوشبو بھی بہت اچھی، تو نیچے سے جڑ دیسی گلاب کی اور پیوند لگا تو اوپر سے ڈبل ڈیلائٹ، دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے، خوشبو سونگھ کے دل خوش ہوتا ہے۔ تو مرید نیچے سے دیسی گلاب کی طرح اور قلم کے جڑنے سے پھر ڈبل ڈیلائٹ بن جاتا ہے۔ جیسے اس گلاب کا مارکیٹ میں جانے سے ریٹ لگ جاتا ہے اسی طرح اس طالب باطن کا بھی اللہ کے ہاں پھر ریٹ لگ جاتا ہے۔ ہاں ہر بندے کے پاس تو نہیں جانا چاہیے، دیکھ لو کہ کسی کے پاس رہ کر دل پر اثر ہوتا بھی ہے کہ نہیں ہوتا۔

چنانچہ علامہ اقبال نے کہا:

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخِ دوست
زندگی اور بھی تیرے لیے دشوار کرے
دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

تو ایسے کاملین سے آج دنیا خالی تو نہیں ہوئی۔مل جاتے ہیں، جہاں طبیعت چاہے آپ جایئے، فائدہ پایئے مگر فائدہ تو پایئے۔

ذائقہ کا پتہ چکھنے سے لگتا ہے

امورِ ذوقیہ کا بیان کرنے سے بات سمجھ میں نہیں آتی، صحبت سے سمجھ میں آتی ہے۔ دیکھیں اگر کسی بندے نے زندگی بھر آم نہ کھایا ہو اور اس کے سامنے کوئی آم کا تذکرہ کرے کہ تو وہ دیہاتی تو اس کو گڑ اور شکر سے قیاس کرے گا کہ میٹھے آم کی بات کر رہا ہے تو گڑ کی طرح میٹھا یا شکر کی طرح، تو سن کے یہی سمجھ میں آتا ہے۔ ہاں جب آم کو چکھ لے تو گا تو سمجھ جائے گا کہ ہاں یہ مٹھاس تو کسی اور طرح کی تھی۔ اسی طرح فقط الفاظ سے بات سمجھ میں نہیں آتی صحبت میں رہ کر بات سمجھ میں آتی ہے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ جی آپ نے حاجی صاحب کی بیعت کیوں کی؟ تو حضرت نے عالمانہ جواب دیا، فرمایا: ایک ہوتے ہیں مبصرات اور ایک ہوتا ہے ابصار۔ ہم لوگوں کی مبصرات زیادہ اور ابصار کم اور حاجی کی ابصار تیز اور مبصرات کم۔ اسی لیے ہمارے دلوں میں مقدمات وارد ہوتے ہیں، نتیجہ ہم نکالتے

ہیں، کبھی ٹھیک اور کبھی ٹھوکر لگ گئی۔ گو کہ اللہ نے مجتہد کی خطائے اجتہادی کو بھی ایک نیکی بنا دیا۔ تو ٹھوکر لگ جاتی ہے۔ تو حاجی صاحب کے دل میں نتائج پہلے وارد ہوتے ہیں اور مقدمات تو خود بخود ذہن میں آ ہی جاتے ہیں، اس لیے وہ پکی بات کرتے ہیں۔

عشق کی دولت عاشقین سے ملتی ہے:

تو اصول کی بات یاد رکھیں کہ علم کا لطف عمل سے اور عمل کا لطف عشق سے۔ دل میں عشقِ الٰہی ہو تو عمل کرنے کا بھی مزہ، نماز کا مزہ، تلاوت کا مزہ۔ تو علم کا لطف عمل سے اور عمل کا لطف عشق سے اور عشق کی دولت عاشقین کی صحبت سے۔

حضرت فضل الرحمن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ (جو ندوہ کے بانی تھے) سے پوچھا: مولانا! آپ نے کبھی عشق کی دکانیں دیکھی ہیں؟ تو انہوں نے سوچ کر کہا کہ جی حضرت میں نے دو دکانیں دیکھی ہیں۔ پوچھا: کون کون سی؟ کہا کہ ایک شاہ آفاق رحمۃ اللہ علیہ اور ایک غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی۔ خانقاہوں کو عشق کی دکانیں کہا۔ تو کپڑے کی دکان سے کپڑا ملا، سبزی کی دکان سے سبزی ملی اور کریانے کی دکان سے کریانے کی چیزیں ملیں اور اللہ والوں کی دکانوں سے اللہ ملا۔

؎ ان سے ملنے کی ہے یہی اک راہ
ملنے والوں سے راہ پیدا کر

تو ملنے والوں سے جس نے راہ پیدا کر لی اس کو اللہ کا تعلق پیدا ہو گیا۔

؎ تنہا نہ چل سکو گے محبت کی راہ میں
میں چل رہا ہوں آپ میرے ساتھ آئیے

تزکیہ کی اہمیت تعلیم اور تبلیغ پر:

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ سنیے، فرماتے ہیں کہ معاش میں اتنا مشغول ہو جانا کہ مہینہ بھر اہل اللہ کی صحبت میں جانے کا موقعہ ہی نہ ملے، یہ میرے نزدیک ناجائز ہے۔ اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ تعلیم اور تبلیغ کی نسبت میرے نزدیک تزکیہ زیادہ ضروری ہے۔ اور اس پر عجیب دلیل قائم کی، فرماتے ہیں کہ گمراہ فرقوں کے تمام بانی اہلِ علم حضرات تھے۔ آپ دیکھیں دنیا میں جتنے گمراہ فرقے گزرے ہیں، ان کا بانی عالم ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ سیدھے رستے پہ رہنے کے لیے جس رستے کی ضرورت لازمی ہے وہ تزکیہ کا راستہ ہے۔ اللہ والوں کے پاس آنے سے پھر اعمال کا شوق پیدا ہوتا ہے اور پھر انسان اعمال کو محبت کے ساتھ کرتا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ عالم کو زیب دیتا ہے کہ اس کے اور اللہ کے درمیان مخفی اعمال بھی موجود ہوں۔ مخلوق سے چھپ کر کرے۔

علم کا بھرم:

صحبت میں آئے گا تو پھر دیکھے گا کہ مجھے علم کا بھرم رکھنا ہے، ورنہ تو علم کا بھی لحاظ نہیں ہوتا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک جج صاحب عالم تھے، ان کی عدالت میں ایک ہندو اور مسلمان عالم کا مقدمہ آیا۔ انہوں نے دونوں کے دلائل سنے مقدمے کی پیروی ہوئی، فیصلہ انہوں نے قانون کے مطابق مسلمان عالم کے حق میں کیا اور کہا کہ قانون کے مطابق آپ کو یہ تمام مال بمع آٹھ سو روپے سود کے ملنا ہے۔ اس زمانے میں استاد کی تنخواہ دو روپے ہوتی تھی، اب جس کی تنخواہ مہینے میں دو روپے ہو اس کو آٹھ سو روپے اوپر مل جائے تو اس کے تو مزے۔ ان عالم صاحب نے کہہ دیا

کہ مجھے سود نہیں چاہیے۔ تو جج صاحب نے کہا کہ علامہ شامی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے

درِ مختار میں لکھا ہے:

لَا رِبٰو بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَ الْحَرْبِيِّ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ

''کہ دارحرب میں مسلم اور حربی کے درمیان میں سود نہیں ہوتا۔''

تو عالم نے سن کر کہا کہ جناب آپ سود دے دیں گے، میں بغل میں درمختار لے

کر پھرتا رہوں گا کہ یہ سود میرے لیے جائز تھا۔ میں کس کو یہ درمختار دکھاتا پھروں گا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ہے فقہ، دین کی سمجھ کہ دینے والا جائز تو بنا کر

دے رہا ہے لیکن چونکہ علم پر حرف آتا ہے اس لیے یہ اس کو ٹھوکر مار دیتا ہے۔ یہ اللہ

والوں کی صحبت کی وجہ سے رنگ ہوتا ہے جو چڑھ جاتا ہے، پھر مال کو دیکھ کر رال نہیں

ٹپکتی، پھر انسان تقویٰ کی زندگی گزارتا ہے۔

تصوف کا کم از کم فائدہ:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کی صحبت سے جو کم سے کم فائدہ ملتا

ہے وہ یہ کہ بندے کو اپنے اندر عیب نظر آنے لگ جاتے ہیں، یہ کم سے کم فائدہ ہے

ورنہ تو اپنے عیب نظر ہی نہیں آتے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مواعظ میں فرماتے

ہیں کہ تصوف کا حاصل کرنا فرض ہے اور ثبوت میں آیت قرآن پڑھتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ﴾ (سورۃ ال عمران:۱۰۲)

''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسے کہ ڈرنے کا حق ہے''

فرماتے ہیں کہ صیغۂ امر سے وجوب ثابت ہوتا ہے اور تعلیم و تعلم کی بنیاد ہی یہی

ہے کہ بندے پر اس کا رنگ چڑھ جائے۔

یہ ذہن میں رکھیے کہ تصوف لوٹنے پوٹنے کا نام نہیں ہے کہ کوئی حال طاری ہوا ہم نماز میں لوٹنے لگ گئے، محفل ذکر میں لوٹنے لگ گئے، نیچے لیٹنے لگ گئے، اس کا نام تصوف نہیں ہے۔ تصوف نام ہے ملکات کے حاصل کرنے کا کہ اخلاقیات انسان کے اندر آجائیں، اس کا نام تصوف ہے۔ اخلاص آجائے اور تواضع پیدا ہوجائے ،اس کا نام تصوف ہے۔ اس لیے فرماتے ہیں کہ میں آج کے دور میں اہل اللہ کی صحبت کو فرضِ عین کہتا ہوں۔ اس لیے کہ اس کے حاصل ہونے کے بعد کوئی جادو بندے پر اثر نہیں کرتا۔ یہ جو فتنے ہوتے ہیں کوئی خشک اور ناہموار بن گیا، کوئی منکرِ حدیث بن گیا، کوئی اپنے آپ کو اہلِ قرآن کہنے لگ گیا۔ فرمانے لگے کہ اہل اللہ سے منتھی ہونے کے بعد پھر یہ جادو اثر نہیں کرتا، بندے کا عقیدہ سلامت رہتا ہے۔

ہمارے استاد مولانا اشرف شاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میری نظر میں آج کے دور میں کسی شیخ سے بیعت ہونا ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا﴾ کا مصداق ہوتا ہے۔ جو بیعت ہوتا ہے، اس کا عقیدہ خراب نہیں ہوسکتا۔ ہاں یہ ہے کہ بیعت آپ ایسے بندے سے ہوں جس کا اپنا عقیدہ ٹھیک ہو۔ اور اگر ہو ہی جاہل اور کہے کہ ”علموں بس کریں او یار“ تو اس کو کہیں گے کہ بھئی! اپنے گھر جا۔ فرماتے ہیں کہ تصوف حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے تعلق کو بڑھانا ہے۔ تم ہمت کرو، صاحبِ ذوق بنو، ورنہ خدا کے لیے اس کا انکار تو نہ کرو کہیں اللہ کا عذاب نہ آجائے۔ دین کے شعبے کا انکار تو نہ کرو کہیں وہ عذاب کا باعث نہ بن جائے گا۔

گر ہوائے ایں سفر داری دلا
دامن رہبر بگیر و پس بیا

”اے دل اگر اس سفر کی تمنا رکھتا ہے تو رہبر کا دامن پکڑ اور بس“

؎ بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق
عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

''عشق کی راہ میں ہر بے رفیق کا نصیب عمر کا ضیاع تو ہے، عشق کی آگاہی نہیں''

تو نظریں صحیح پیدا کرنے کے لیے کسی صاحب نظر کا دامن تھام لو۔

صحبت سے دینِ صحیحہ پر ثبات نصیب ہوتا ہے:

کوئی یہ نہ سمجھے کہ جی میں عالم ہوں لہٰذا میرے لیے دامن تھامنا ضروری نہیں۔ واقعہ سن لیجیے! دارالعلوم دیوبند جب بنا تو اللہ کی شان کہ شوریٰ میں جتنے بھی حضرات تھے سب صاحبِ نسبت صاحب تقویٰ بزرگ تھے مگر دیوبند بستی جو تھی، اس بستی میں ایک صاحب تھے بڑا سیاسی ذہن رکھنے والے۔ کئی ہوتے ہیں نا! کونسلر بننے کا شوق ہوتا ہے، ناظم بننے کا شوق ہوتا ہے۔ اللہ نے بندوں طبیعتیں مختلف بنائی ہیں، وہ اس قسم کا ذہن رکھنے والا تھا۔ اس نے ساری بستی والوں سے پہلے کنویسنگ کی اور ان کو کہا کہ دیکھو! مدرسہ یہاں چل رہا ہے اور بستی کی نمائندگی ہی نہیں۔ بھئی! ہم بستی والے ہیں ہماری بھی تو نمائندگی ہونی چاہیے۔ تو بستی والے سادہ لوگ تھے، انہوں نے کہا جی بالکل۔ چنانچہ فتنہ کھڑا کر دیا، آ کر کہا کہ جناب! مدرسہ بند کروا دیں گے اگر چلانا ہے تو ہمارا ایک نمائندہ شوریٰ میں ہونا چاہیے۔ سارے بستی والے متفق، بعض اساتذہ بھی متفق، یہ بات اتنی بڑھی کہ ایک موقعہ آ گیا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بھی متفق ہو گیا کہ مدرسے کو بند نہیں کرنا چاہیے ایک ہی بندہ ہے نا اگر نمائندگی ہو بھی گئی تو باقی شوریٰ تو اپنی ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ شوریٰ میں تھے، فرمانے

لگے کہ ہرگز نہیں، ہم اس کو شوریٰ میں نمائندگی ہرگز نہیں دیں گے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بات کرنے کے لیے گئے کہ حضرت! ایک بندے کی وجہ سے مدرسہ بند ہو جائے گا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ہم مدرسہ بند کر دیں گے، یہ مدرسہ ہے دکان نہیں ہے، جب تک اصولوں پہ کام کر سکیں گے کریں گے، جب اصولوں کو چھوڑنا پڑا تو مدرسے کو چھوڑ دیں گے، اصول کو نہیں چھوڑیں گے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھیں کھل گئیں اور مجھے تب پتہ چلا کہ دین کس کو کہتے ہیں۔ چنانچہ سب نے سٹینڈ لے لیا کہ جس کے اندر تقویٰ طہارت علم والی صفات نہیں ہوں گی وہ مدرسے کی شوریٰ کا ممبر نہیں بنے گا۔ اللہ نے اس فیصلے کی برکت سے بستی والوں کے اندر سے ہوا ہی نکال دی۔ فتنہ ختم ہو گیا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے جیسے بندے کی آنکھیں کھل گئیں۔ بڑوں کے سامنے آکر، اللہ والوں کی صحبت میں آکر چاہے علم ہو، آنکھیں کھل جاتی ہیں، انسان دین کو سیکھتا ہے۔

اہل اللہ کی صحبت کے چار فائدے:

چنانچہ اہل اللہ کی صحبت میں چار نفعے ملتے ہیں۔

(۱) پہلا نفع کہ ان کے ملفوظات اور ان کی باتیں سن کر نفس کے رذائل معلوم ہو جاتے ہیں۔

(۲) دوسرا انسانی طبیعت کے اندر نقلِ اعمال اور اخلاق کا جو مادہ ہے اس کی وجہ سے طبیعت ان کے اخلاق کو اپنا لیتی ہے۔

(۳) تیسرا انسان ان کی صحبت میں جانے سے ان کی دعاؤں میں شامل ہو جاتا ہے۔

(۴) چوتھا فائدہ اگر کسی بات پہ ان کا دل خوش ہو گیا تو اہل اللہ کے دل کا خوش ہونا دعائے مستجاب کا درجہ رکھتا ہے۔

روح المعانی میں لکھا ہے کہ اہل اللہ کے دل کا خوش ہونا دعائے مستجاب کا درجہ رکھتا ہے۔

نسبت ملنے کی گارنٹی:

اب یہ عاجز اپنی بات کو سمیٹتا ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین کام کرو اور نسبت ملنے کی گارنٹی میں دیتا ہوں، یہ کوئی عام آدمی بات نہیں کر رہا مجدد ملت فرما رہے ہیں۔

(۱) ایک نیک اعمال کا اہتمام کرو۔

(۲) دوسرا کام صحبت صلحاء اختیار کرو، کسی سے بیعت کرو۔

(۳) تیسرا ان کے کہنے کے مطابق ذکر کی کثرت کرو۔

فرماتے ہیں کہ تین کام کرو گے تو واللہ! واللہ! واللہ! تین مرتبہ قسم کھا کر فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں نسبت کا نور عطا فرما دیں گے۔ اللہ کے بندے نے تین مرتبہ قسم کھا کر فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ کرنے میں کمی ہے۔ صحبت اختیار کریں پھر دیکھیے کہ نسبت کی برکتیں کیا رنگ دکھاتی ہیں۔

غیر مقلدین کے اکابر بھی تصوف کے قائل تھے:

اور یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ آج کل خشک اور ناہموار زیادہ ہو گئے ہیں جو تصوف کو ہی نہیں مانتے۔ چونکہ من مانی جتنی بڑھتی جائے گی نفسانیت اتنی بڑھتی جائے گی تو پھر نہ ماننے والے زیادہ ہوتے جائیں گے۔ جن کے ساتھ یہ اپنی نسبت اوپر جوڑتے

ہیں وہ سب مانتے تھے۔ یہ خشک اور ناہموار اپنی نسبت جن کے ساتھ جوڑتے ہیں سب تصوف کے قائل تھے۔

سنیے ذرا! شیخ عبدالواہاب نجدی تصوف کے قائل تھے۔ اپنی کتاب مؤلفات الفتاویٰ و المسائل میں وہ لکھتے ہیں:

اِذَا کَانَ مَنْ یَنْتَسِبُ اِلَی الدِّیْنِ مِنْھُمْ مَنْ یَتَعَانِیْ بِالْعِلْمِ وَ الْفِقْهِ وَ یَقُوْلُ لَهُ الْفُقَهَآءُ وَ مِنْھُمْ مَنْ یَتَعَانِیْ بِالْعِبَادَةِ وَ طَلَبِ الْاٰخِرَةِ کَالصُّوْفِیَةِ فَبَعَثَ اللّٰهُ نَبِیَّهُ بِهٰذَا الدِّیْنِ الْجَامِعِ لِلنَّوْعَیْنِ

''وہ لوگ جن کی دین کی طرف نسبت ہے، منسوب کیے جاتے ہیں بعض ایسے ہیں جن کا مقصود علم اور فقہ ہوتی ہے، ان کو فقہا کہتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ جن کا مقصود عبادت ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر صوفیا، اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو جس دین کے ساتھ بھیجا وہ ان دونوں اقسام کا جامع ہے۔''

یہ ان کے الفاظ ہیں، اللہ نے جو اپنے نبی ﷺ کو علم دے کر بھیجا، یہ دونوں نوعین، دونوں قسمیں وہاں سے ثابت ہیں۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں اپنی کتاب میں:

وَ لِهٰذَا کَانَ الْمَشَائِخُ الصُّوْفِیَه وَ الْعَارِفُوْنَ یُوْصُوْنَ کَثِیْرًا بِمُتَابَعَةِ الْعِلْمِ ہ

''اسی وجہ سے مشائخ صوفیہ اور عارفین علم پر عمل کی بہت وصیت کرتے تھے''

یہ ان کے الفاظ ہیں:

تیسری جگہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

وَ مِنَ الْعَجَائِبِ فَقِیْهٌ وَّ صُوْفِیٌّ وَّ عَالِمٌ وَّ زَاهِدٌ

''یہ عجائب روزگار میں سے ہے کہ فقیہ بھی ہو اور صوفی بھی، عالم بھی ہو اور زاہد بھی''

یہ عجائب میں سے ہے۔ان کے بیٹے اپنی کتاب ''اَلْھَدِیَۃُ السُّنِّیَۃُ'' میں فرماتے ہیں:

وَلَا نُنکِرُ طَرِیْقَۃَ الصُّوْفِیَّۃِ وَ تَنْزِیْہَ الْبَاطِنِ مِنَ الرَّذَائِلِ الْمَعَاصِیْ الْمُتَعَلِّقَۃِ بِالْقَلْبِ وَ الْجَوَارِحِ

''ہم صوفیا کے طریقے اور دل و اعضاء کے متعلقہ گناہوں اور رذائل سے باطن کی صفائی کے منکر نہیں''

توجب ان کے بیٹے خود کہہ رہے ہیں کہ ہم انکار نہیں کرتے تو یہ خشک اور ناہموار کیسے یہ انکار کر دیتے ہیں۔مرضی کی بات ہوئی نا! کہ جو بات دل کو پسند آ گئی وہ مان لی، وہاں کہہ دیا جی وہ ہمارے بڑے ہیں اور جو بات پسند نہ آئی وہ نہیں مانتے۔تو بھئی! آپ سیدھا سیدھا کہہ دیں کہ ایک ہے فقہ مالکی، ایک فقہ ہے حنبلی، ایک فقہ شافعی، ایک فقہ حنفی اور آپ ہیں فقہ نفسی پر عمل کرنے والے، آپ کا امام نفس ہے۔آپ اقتدا کر رہے ہیں نفس کی کہ جو چاہی مان لی اپنے بڑوں کی (ہمارے بڑوں کی تو چلو نہیں مانتے،توفیق ہی نہیں ہوتی) تو جو چاہی مان لی اور جو نہ چاہی اپنوں کی بھی نہ مانی۔

اب دیکھیں! ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے قائل نہیں تھے، ان کی نہیں مانتے اور ایک معاملے میں تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی نہیں مانتے۔وہ تین طلاق کے قطعی ہونے کے قائل تھے۔دو مسئلے ہیں ایک تین طلاق کا قطعی ہونا اور ایک فاتحہ کا ہونا۔ایک میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں مانتے اور ایک میں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

کی نہیں مانتے۔ فقہ ان کی نفس ہے۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ جو ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، ان کے بارے میں طبقاتِ حنابل میں لکھا ہے کہ (یہ الفاظ لکھے ہیں)

اِبْنُ قَیِّمٍ وَ کَانَ عَالِمًا بِعِلْمِ السُّلُوْكِ وَ كَلَامِ اَهْلِ التَّصَوُّفِ وَ اِشَارَاتِهِمْ وَ دَقَائِقِهِمْ

''یہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ علم سلوک اور اہل تصوف کے کام اور اس کے اسرار اور رموز کے عالم تھے''

کیسے کہتے ہیں کہ جی ہمارے بڑوں کا تصوف کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں تھا؟ سنیے! ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے پیرانِ پیر شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب فتوح الغیب کی شرح لکھی اور ان کے فتاویٰ ہیں جس کی دسویں جلد کا نام ''کتابُ علمُ السلوک'' رکھا۔ ''فتاویٰ ابن تیمیہ'' نکالو اور دسویں جلد دیکھو کیا ہے؟ کتاب علم السلوک ہے۔ اور تصوف کس کو کہتے ہیں؟ بھئی نہ ابن تیمیہ سے تعلق جڑا، نہ ابن قیم سے جڑا، نہ عبد الوہاب نجدی سے جڑا، تو پھر جڑا کدھر بھئی؟ ہاں ہمیں پتہ ہے کہاں جڑا؟ آپ نے کوشش کی اپنا تعلق محدثین اور فقہا سے جوڑنے کی، وہاں تو جڑا نہ، ایک دوسری جگہ آٹو میٹک جا کر جڑ گیا اور ان کا نام تھا معتزلہ، لہٰذا آپ کے بڑے وہ ہیں۔ جو ان کا اصول تھا کہ عامی کو عمل کرنے کے لیے علت کا معلوم ہونا ضروری ہے، لہٰذا تمہاری بھی وہی بات ہے۔ چنانچہ یہ معتزلہ کا فرقہ ہے جو آج چلا آ رہا ہے، یہ ''خشک اور نہ ہموار'' کسی اور کو نہیں مانتے۔ یہ بات اس لیے کر دی کہ کسی کے ذہن میں یہ نہ آئے کہ جی تصوف کی اتنی باتیں کر دیں، جب کہ لوگ اعتراض بھی تو کرتے ہیں۔ تو اعتراض کرنے والوں کی حقیقت بھی کھل جائے۔

حضرت رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر صحبت کا اثر

اب اگلی بات: بڑے بڑے علما اپنے وقت کے مشائخ کے پاس گئے، اپنی اصلاح کے لیے، اپنے من میں اس نور باطن کو حاصل کرنے کے لیے۔ توجہ سے ذرا بات سنیے گا۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ علم حاصل کرنے کے بعد ابتدا میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گئے۔ خیال یہ تھا کہ ملاقات کروں گا اور واپس آجاؤں گا۔ ملاقات کی پھر اجازت مانگی:

حضرت! میں واپس جانا چاہتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا: میاں رشید احمد! ہمارے پاس کچھ وقت گزارو!

حضرت! کل میں نے سبق پڑھانا ہے، طلبا کا نقصان ہوگا۔

بھئی! صبح چلے جانا۔

حضرت! آپ کی یہ خانقاہ ہے اور رات کو یہاں سالکین اٹھیں گے، تہجد پڑھیں گے، ذکر کریں گے، ضربیں لگائیں گے، مجھے نیند ہی نہیں آئے گی، رات میں جاگتا رہوں گا اور سفر میں بھی تھکا ہوں گا تو پھر میں پڑھا نہیں سکوں گا۔

حضرت نے فرمایا: رشید احمد! تم سوئے رہنا، تمہیں کوئی نہیں جگائے گا۔

کہنے لگے: ٹھیک ہے۔

رات کو رک گئے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خادم سے کہا کہ بھائی میاں رشید احمد کی چارپائی ہمارے قریب بچھا دینا۔ مقناطیس کے پاس لوہا آتا ہے تو نا اس کا اثر ہوتا ہے۔ رات کو سوئے۔ فرماتے ہیں: جیسے ہی تہجد کا وقت ہوا تو میری آنکھ کھل گئی، میں نے دیکھا کہ کوئی نماز پڑھ رہا ہے، کوئی تلاوت کر رہا ہے، کوئی ذکر کر رہا

ہے، کوئی دعا مانگ رہا ہے۔ تو میرے ذہن میں خیال آیا کہ رشید احمد! ورثۃ الانبیاء میں شامل ہونے کی تمنا تو تمہیں ہے، انبیا کی شان یہ تھی:

﴿كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ٥ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾

(ذاریات:۱۷۔۱۸)

قرآن کی آیتیں حتیٰ کہ حدیثیں یاد آنے لگیں۔ یہاں تک کہ بستر نے مجھے اچھال دیا، میں اٹھ کھڑا ہوا، وضو کیا، تہجد پڑھی، پھر ذکر کرنے بیٹھ گیا۔

فجر کے بعد حاجی صاحب کو ملنے گیا، حاجی صاحب نے فرمایا:

وہ جو ہمارے پاس ذکر کر رہا تھا، وہ کون تھا؟

حضرت! میں ہی تھا۔

حاجی صاحب نے کہا: میاں رشید احمد! جب ذکر کرنا ہی ہے تو سیکھ کے کرلو!

اچھا حضرت! سکھا دیجیے۔

حاجی صاحب نے بیعت فرما لیا۔

بیعت ہو گئے، مچھلی پکڑی گئی۔ اب جب بیعت ہوئے تو نسبت کی تاثیر تو فوراً شروع ہو جاتی ہے، دل میں خیال آیا کہ ایک اللہ والے خود کہہ رہے ہیں کہ میری صحبت میں رہو، یہ موقعہ پھر کب ملے گا؟ پڑھانا تو ساری زندگی ہے۔ پیغام بھیج دیا کسی اور عالم دوست کو کہ میرے طلبا کو سبق آپ پڑھا دینا۔ میں ایک مہینہ حضرت کے پاس رہتا ہوں۔ ارادہ کرلیا اور ایک مہینے میں ان کو اللہ نے وہ نور دے دیا۔ چنانچہ حاجی صاحب نے اجازت وخلافت دے کر ان کو واپس لٹا دیا۔ جب لوٹنے لگے تو کہا کہ حضرت! مجھے تو اپنے اندر تو کچھ نظر نہیں آتا۔ تو حاجی صاحب نے کہا کہ میاں رشید احمد! آپ کو اجازت دی اس لیے گئی کہ آپ کو اپنے اندر کچھ نظر نہیں آتا، اگر نظر آتا تو

کبھی آپ کو خلافت نہ دی جاتی۔ حضرت دعا فرمائیں کہ مجھے رونا آ جائے آپ نے فرمایا کہ ہاں۔

واپس آ گئے، پھر ایک سال اپنے گھر میں رہے، اب نسبت نے اثر کیا۔ جب بیج ڈالا جاتا ہے تو پہلے دن پھل تو نہیں لگتے۔ کونپل نکلتی ہے، درخت بنتا ہے، پھر پھول آتے ہیں اور پھر پھل آتے ہیں، تو ٹائم لگتا ہے۔ اسی طرح جب یہ نسبت منتقل ہوتی ہے تو وقت کے ساتھ اپنی شان دکھاتی ہے۔ ایک سال کے بعد حاجی صاحب سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔

حاجی صاحب نے اب سوال پوچھا: میاں رشید احمد! یہ بتاؤ کہ بیعت ہونے سے پہلے اور بیعت ہونے کے بعد تمہیں اپنے اندر کیا تبدیلی نظر آئی؟

تو کچھ سوچ کے انہوں نے کہا: حضرت! مجھے اپنے اندر تین تبدیلیاں نظر آئیں۔

پہلی تبدیلی تو یہ کہ بیعت سے پہلے جب میں کتب کا مطالعہ کرتا تھا تو مجھے بہت اشکال محسوس ہوتے تھے، حل کرنے کے لیے شروحات کی طرف متوجہ ہونا پڑتا تھا، جب سے میں بیعت ہوا ہوں مجھے نصوص شرعیہ کے اندر کہیں تعارض نظر نہیں آتا۔

اور دوسری بات کہ اب طبیعت ایسی بن گئی ہے کہ دین کے معاملے میں کسی کی مدح اور ذم میرے اوپر کوئی اثر نہیں کرتی، کوئی تعریف کرے یا بد تعریفی کرے کھری بات کرتا ہوں اور مفتی کا کام بھی یہی ہے۔

اور تیسرا یہ کہ اب مکروہات شرعیہ مکروہات طبعیہ بن گئی ہیں۔ یعنی جن چیزوں سے شریعت کراہت کرتی ہے ان سے میری طبیعت بھی کراہت کرتی ہے۔

حاجی صاحب نے فرمایا: میاں رشید احمد! مبارک ہو، دین کے تین درجے ہیں: پہلا علم ہے اور علم کا کمال کہ نصوصِ شرعیہ میں کہیں تعارض نظر نہ آئے اور دوسرا درجہ عمل

ہے اور عمل کا کمال کہ مکروہاتِ شرعیہ مکروہات طبعیہ بن جائیں اور تیسرا درجہ اخلاص ہے اور اخلاص کا کمال کہ دین کے معاملے میں مدح اور ذم برابر ہو۔ مبارک ہو اللہ نے علم میں بھی کمال دے دیا، عمل میں بھی کمال دے دیا اور اخلاص میں بھی کمال عطا فرما دیا۔ یہ صحبت کی برکات ہیں۔

حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ پر صحبت کا اثر:

ہمارے پنجاب میں جامعہ اشرفیہ بڑے مدارس میں سے ہے۔ اس کے بانی تھے حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ، پڑھاتے تھے، بڑے استاد تھے۔ کئی مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت بیعت کر لیجیے! حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ٹال جاتے، پھر کہا، پھر ٹال جاتے۔ پکنے دیتے ہیں نا! کئی مرتبہ۔ جیسے پلاؤ کو آخر پر دم دیتے ہیں، اس سے پھر اس کا ذائقہ بنتا ہے، تو حضرت کو تو پتہ تھا کہ سینے میں کچھ ہے جو پک رہا ہے، اسے پکنے دو، اوپر ڈھکنا دو، اسے پکنے دو۔ حضرت! بیعت فرما لیجیے! حضرت فرماتے ہیں: مفتی صاحب! بیعت کا اصل مقصد تو ہوتا ہے محبت کا ہونا وہ تو آپ کو تو حاصل ہے تو کیا ضرورت ہے بیعت کی؟ کہنے لگے کہ ایک دن میرے اندر بھی محبت کا جذبہ ایسا اٹھا کہ میں نے کہا کہ آج میں نے بیعت ہوئے بغیر نہیں جانا۔ میں گیا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کچھ لکھ رہے تھے، میں نے کہا کہ حضرت! میں نیت کر کے آیا ہوں کہ آج بیعت ہوئے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔ کہتے ہیں کہ حضرت نے جب یہ بات سنی تو جس کاغذ پر لکھ رہے تھے وہ ایک طرف کر دیا اور میری طرف متوجہ ہو کے کہنے لگے کہ اچھا مفتی صاحب! اب میری کچھ شرائط ہیں، میں نے کہا کہ فرمائیے! انہوں نے فرمایا کہ

پہلی شرط یہ ہے کہ یہ جو کتابیں آپ نے فلاں غیر مقلد عالم کے پاس پڑھی ہیں اور یہ جو غیر مقلدیت کے جراثیم ہیں یہ بندے کے اندر سے نہیں نکلتے۔ لہٰذا ان کتابوں کو دار العلوم کے اساتذہ سے دوبارہ پڑھیں! اور طلبا کے ساتھ بیٹھ کر پڑھیں۔ یا اللہ! پڑھنا تھا تو اکیلے کمرے میں بیٹھ کر پڑھ لیں، نہیں نفس مٹانا مقصد تھا، جن طلبا کے استادان کے ساتھ بیٹھ کر پڑھیں، حضرت میں پڑھ لوں گا۔

دوسری شرط، فرمایا: مفتی صاحب! آپ امرتسر پنجاب کے رہنے والے ہیں اور اس علاقے کے لوگ قرآن مجید کو مجہول پڑھتے ہیں، کیونکہ پنجابی زبان میں غنے بڑے ہیں۔ اسانوں تہانوں، غنے ہی غنے۔ چونکہ مجہول پڑھتے ہیں اس لیے آپ کسی قاری سے اتنی قرأت پڑھ لیں کہ فجر کی نماز آپ طوالِ مفصل کے ساتھ پڑھا سکیں۔ جی حضرت میں تجوید بھی پڑھوں گا۔

تیسری شرط کہ مفتی صاحب! آپ مجھے اختیار دیں کہ میں آپ کی اہلیہ سے پردے میں بیٹھ کر آپ کی نجی زندگی کے بارے میں کچھ سوال پوچھوں۔ کتنے کھرے لوگ تھے کہ مجھے اختیار دے دو، حضرت! اس کی بھی اجازت۔

اور مفتی صاحب فرماتے تھے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ شرط بھی لگا دیتے کہ لوگ تو مصلے پر بیٹھ کر معمولات کرتے ہیں تم نے بیت الخلا میں کرنے ہیں تو میں اس شرط کو بھی مان لیتا۔ چنانچہ بیعت ہو گئے اور اس بیعت ہونے کے بعد اللہ نے چند دنوں میں ہی سینے کو بھر دیا، چونکہ گراونڈ ورک تو پہلے سے ہوا ہوا تھا۔ دیکھیں! دیا سلائی خشک ہو تو بس رگڑ کی ضرورت ہوتی ہے، فوراً جل جاتی ہے تو اگر علم پر عمل کی کوشش ہو تو دیا سلائی تو بندہ پہلے بنا ہوتا ہے، اللہ والے بس آگ لگا دیتے ہیں، پھر اللہ نے ان کو وہ مقام دیا کہ سبحان اللہ! کیا اخلاص تھا۔

اللہ کی شان دیکھیں کہ جامعہ اشرفیہ جب نیلا گنبد میں شروع ہوا تو ابتدا میں پورے لاہور میں یہی بڑا مدرسہ تھا۔ مگر وہاں کے اساتذہ میں سے کچھ اساتذہ نے الگ مدرسہ بنا دیا اور شروع میں اسی گلی مکان کرائے پر لے کر شروع کر دیا۔ ''تیرے گھر کے سامنے''۔ تو حضرت مولانا فضل الرحیم دامت برکاتہم انہوں نے ایک ہوائی جہاز کے سفر میں یہ واقعہ خود سنایا۔ کہنے لگے میں چھوٹا تھا جب وہ مدرسہ بنا تو مجھے بڑا غصہ، کہ ایک تو بیوفائی کی دوسرا اور تھوڑا ملک تھا یہیں مدرسہ بنانا تھا۔ کہنے لگے کہ میں بڑا غصے میں تھا اور میں ابا جی کے پاس آیا اور کہا کہ ابا جی! دیکھیں انہوں نے مدرسہ بھی اسی گلی میں کھولا ہے، تو حضرت مفتی صاحب نے کہا کہ بیٹے تم کہاں جا رہے ہو؟ کہا: امی نے کام بھیجا ہے، فرمایا کام کر کے واپس آؤ پھر میں تمہیں بات سمجھاؤں گا۔ کہتے ہیں میں بچہ تھا جلدی جلدی کام سمیٹا اور بھاگا آیا اور کہا کہ سمجھائیں۔ ابا جی نے کہا کہ بیٹے! اگر تمہارے سر پر بوجھ ہو اتنا زیادہ کہ تمہاری گردن ہی ٹوٹ رہی ہو اور اتنے میں کوئی واقف دوست مل جائے جو کہے بھئی! آدھا مجھے دے دو میں پہنچا دیتا ہوں تو وہ تقسیم کرنے والا دوست ہوگا یا دشمن ہوگا؟ میں نے کہا ابا جی دوست ہوگا۔ فرمانے لگے پورے شہر میں ہمارا مدرسہ تھا بوجھ صرف ہمارے سر پر تھا، اب دوسرا مدرسہ بن گیا مسئولیت تقسیم ہوگئی، وہ ہمارے دشمن نہیں وہ ہمارے دوست ہیں۔ یہ اخلاص کس نے سکھایا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے صحبت نے سکھایا۔

کیمبلپوری سے کاملپوری:

چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن کیمبلپوری رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف پڑھاتے تھے، شیخ البخاری، سال مکمل ہوا اور سیدھا تھانہ بھون پہنچ گئے۔ حضرت بخاری شریف پڑھاتا

ہوں، رنگ نہیں پاتا، بیعت فرما لیجیے! ایسے بیعت ہوئے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کیمبلپوری، کاملپوری بن گئے۔

جہالت کا اندازہ:

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ بڑے علامہ عالم تھے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ملنے کے لیے آئے، پوچھا حضرت تصوف کیا بلا ہے؟ فرمایا: اپنے آپ کو مٹا دینے کا دوسرا نام تصوف ہے۔ حضرت دین میں اس کا ثبوت کہاں ہے؟ فرمایا تم چند دن میرے پاس رہو، شرط یہ ہے کہ زبان نہیں کھولنی، علامہ تھے نا آخر۔ کہنے لگے کہ میں نے ہاں کر دی۔ ابھی دو دن نہیں گزرے تھے، حضرت کی صحبت اور توجہات کا یہ عالم تھا کہ میرے سارے اشکال دور ہو گئے اور میں نے اپنے آپ کو بیعت کے لیے پیش کر دیا۔ اب واپس آئے تو لوگوں نے کہا یہ کیا کر آئے وہ بوریا نشیں سا بندہ تھا نسبت اس کے ساتھ جا کر قائم کر لی، آپ تو عالمی شخصیت تھے۔ تو حضرت ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ تو مجھے علامہ کہہ رہے ہیں مجھے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جا کر اپنی جہالت کا اندازہ ہوا۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر:

تو معلوم ہوا کہ اگر ہم اس نعمت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو سرنڈر کرنا پڑے گا۔

كَالْمَيِّتُ بَيْنَ يَدَيِ الْغَسَّالُ

''جیسے غسل دینے والے کے ہاتھ میں مردہ ہوتا ہے''

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

موسیٰ علیہ السلام دیکھو شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے، اس سے پہلے تو ہمکلامی نہیں تھی، شعیب علیہ السلام ملے تو پھر ہمکلامی بھی نصیب ہو گئی، تو کہنے والے نے کہا کہ ہمیں بھی کوئی شعیب مل جائے۔ تو پہلے بکریوں کے شبان تھے راعی تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو کلیم بنا دیا۔

گر تو سنگِ خارہٗ مرمر شوی
چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

سنگ مرمر بھی ہے، کسی اللہ والے کے پاس آ جاؤ وہ اللہ والا تجھے ہیرا اور موتی بنا کر رکھ دے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان اللہ والوں کی صحبت میں رہنے بیٹھنے سیکھنے اور اپنے آپ کو انسان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہی کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کے مزے آئیں
جو آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخن دانی

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ